


جلد ۲۳ — ۱۰ رجب ۹۸ھ — ۹ جون ۷۸ء — شمارہ ۴۵

اس شمارے میں



رئیس الادارہ
پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مدیرِ منتظم: میاں محمد اجمل قادری
مدیر: محمد سعید الرحمن علوی
معاون: صالح محمد حضروی

سالانہ ۶۰ روپیہ، ششماہی -/۳۰
سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

اداریہ

23/45

# یہ مذاق اب ختم ہونا چاہیئے

پاکستان قومی اتحاد دنیا بھر کے آمروں کی مجموعی عادات و خصائل کے مالک مسٹر بھٹو کے خلاف تاریخی جنگ کے ایک مرحلہ سے جس خیر و خوبی سے گذرا اس پر اپنوں کی خوشی تو دیدنی تھی ہی بیگانوں نے بھی اعتراف کیا۔ لیکن افسوس کہ ملک کی ملحدانہ ذہنیت کے خلاف جنگ جیتنے سے قبل ہی اس کی صفوں میں دراڑ پڑ گئی اور ائیر مارشل اصغر خاں اپنے غیر مستقل مزاج کے پیشِ نظر ہوائی جہاز کی سی تیزی کے ساتھ نو دو گیارہ ہو گئے ان کے بعد جناب نورانی کی جمیعۃ علماء پاکستان نے اس قسم کے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا جو کسی بصورت بھی جائز و مناسب نہ تھا۔ اور بدقسمتی سے کئی ماہ گزرنے کے باوجود ان کے روّیہ میں فرق نہیں آیا۔ بلکہ وہ برابر بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اور ان سمیت ان کے رفقاء کی زبان کے ساتھ ان کا ذہن بھی بگڑتا جا رہا ہے۔ بالخصوص بیرونی دنیا سے طویل دورہ سے واپسی کے بعد ابھی حال ہی میں انھوں نے جس زبان میں گفتگو کی ہے یقین نہیں آتا کہ یہ ایک ذمّہ دار قومی رہنما اور عالمِ دین کی زبان ہے۔ قومی اتحاد کی ایثار پیشہ اور بیدار مغز و مخلص قیادت نے خواہی نخواہی رُوٹھنے والوں کو منانے کے لیے جو کمیٹی بنائی اس نے اپنا کام مسلسل جاری رکھا اور اتحاد کے حالیہ غیر رسمی اجلاسوں کے بعد یہ اُمّید پیدا ہو گئی کہ اب معاملات سدھر جائیں گے۔ ادھر "خانِ اعظم" کی مسلم لیگ میں شمولیّت یا این۔ ڈی۔ پی کے مجوزہ حکومت کے سلسلہ میں عجیب و غریب روّیہ کے پیشِ نظر معاملات الجھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ لیکن اللہ نے کرم کیا کہ ان پر قابُو پا لیا گیا۔ تاہم نورانی صاحب کا معاملہ جوں کا توں ہے۔ اور اتحادی قیادت جوں جوں معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتی ہے اور بچھڑے ہوؤں کو ملانے کی فکر کرتی ہے یار لوگ اتنا ہی پیچھے ہٹتے ہیں اور اب تو اتحادی قیادت پر "نا اہل" کے سوا بھی

پبلشر مولانا عبید اللہ انور۔ پرنٹر الٰہی بخش۔ مطبع ڈاسکو پرنٹرز ۴۸۰ موری گیٹ لاہور

مختلف النوع الزام لگا دیتے گئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ان عقل مندوں سے پوچھنے والا نہیں کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک ان نااہلوں کے پلے آپ کیوں پڑے رہے جب کہ کم از کم ۱۹۴۷ء کا سال تو بالکل غیر متنازعہ تھا۔

صورتِ حال یہ ہے کہ نورانی صاحب کے وہ برخوردار جو صحافتی دنیا میں نئے نئے وارد ہوئے ہیں وہ بھی ان مسلمہ رہنماؤں کے منہ آ رہے ہیں جن کی سیاسی و قومی خدمات کی عمر ان عزیزوں کی مجموعی عمر سے کہیں زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ افسوس ناک رویہ ایک ماہنامہ کا ہے۔ جس کا ڈیکلیریشن تو فیصل آباد کا ہے، لیکن اس کا ہیڈ کوارٹر آج کل لاہور ہے۔ اس کے کرتا دھرتا آج کل ایک طرف تو تحریکِ پاکستان میں اپنے "بزرگوں" کی شمولیت کے لیے خوب خوب ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور گویا دنیا کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ اگر ہم لوگ نہ ہوتے تو یہ ملک ہی معرضِ وجود میں نہ آتا۔ حالانکہ "اعلیٰ حضرت" اور ان کی فوجِ ظفر موج کے فتاویٰ تکفیر ایک ایسی شرمناک داستان ہے جس نے دینی حلقوں کے اعتماد کو بُری طرح مجروح کیا اور مرزائیوں سے لے کر کمیونسٹوں تک کو فتووں کا مذاق اڑانے کا موقع دیا۔ دوسری طرف یہ حضرات حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اہل اللہ اور بندگانِ خدا کے خلاف خدا ناآشنا طبقوں کے نثری و نظمی مجموعوں کو مرچ نمک لگا کر مسلسل چھاپ رہے ہیں اور اس طرح یہ سمجھتے ہیں کہ ان اہل اللہ کی عظمت و توقیر ختم ہو جائے گی حالانکہ ایسا ممکن نہیں بلکہ ان کے منہ آنے والے قہرِ خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے بندوں کی توہین اسے برداشت نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ برخوردار اپنی تحریروں کے ذریعہ محمود الملت والدین اسلامیانِ پاکستان کی متاعِ عزیز حضرت مولانا مفتی محمود کے سلسلہ میں یہ باور کرا رہے ہیں کہ وہ قومی حکومت کے سلسلہ میں بڑے بے قرار ہیں اور کرسی اقتدار کی خواہش نے انہیں مضطرب کر رکھا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مفتی محمود وزارت کے نرم گرم چشیدہ ہیں، اور انھوں نے اصولوں کی خاطر کرسی کو ٹھکرا کر ایک ایسی روایت قائم کی ہے جس کی مثال پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور یہی وہ مردِ درویش ہے جس کو اس کی وزارتِ سرحد کے زمانہ میں جناب نورانی میاں نے زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔ جس کا متن اخبارات کی فائلوں میں موجود ہے۔ لیکن آج اسی مردِ درویش کے دامن پر چھینٹے برسا کر آخر کس کی خدمت کی جا رہی ہے؟

یہ صورتِ حال پوری ملتِ پاکستانیہ کے لیے انتہائی اضطراب و بے چینی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ جن گھروں کے لعل خاک و خون میں مل گئے۔ ان کے دل سے پوچھیے؟ شاہی قلعہ جیسے عقوبت خانوں میں پاکستانی نازیوں کی بربریت کا شکار ہونے والے نوجوان محوِ حیرت ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور ابھی تک مقدسات کی اذیت برداشت کرنے والے قلب و جگر تھامے پریشانی کا شکار ہیں۔

لیکن ہمارے لیڈر نہ معلوم کیا سوچ رہے ہیں۔ نورانی صاحب اور ان کے رفقاء و معتقدین سے ہم بوجوہ کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے کہ ان کا ماضی یہی کچھ ہے کہ بے پر کی اڑاؤ، فتویٰ جاری کرو اور قوم کو الجھاؤ۔ لیکن ہم باقی حضرات سے پوری دلسوزی کے ساتھ یہ کہنا چاہیں گے کہ وہ قوم کو اس اضطراب سے نجات دلائیں۔ کوئی جانا ہی چاہتا ہے تو اس کا راستہ روکے بغیر آپ بنیان مرصوص بن جائیں اور دنیا پر ثابت کر دیں کہ ہم واقعۃً ایک خدا کے بندے، ایک رسول کے نام لیوا، ایک کتاب سے استفادہ کرنے والے اور ایک مرکز کی طرف منہ کرنے والے ہیں۔ بلکہ ہم اس سے آگے بڑھ کر یہ گذارش کریں گے کہ اب وقت آگیا کہ اسلام کی سیدھی سادی اور ٹھیٹھ تعلیم کو اپناتے ہوئے "جماعۃِ واحدہ" کا روپ دھار لیں یقیناً اس میں بہت سارے حضرات کی قیادت و "سیادت" متاثر ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت کا جو نزول ہو گا اس کے پیشِ نظر یہ ملک مثالی ملک بن جائے گا۔

بہر حال قومی اتحاد کو قومی اتحاد بنانا وقت کا فریضہ ہے اور وقت کی پکار پر کان نہ دھرنا تباہی کے گڑھے میں گرنے کے مترادف ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری مخلصانہ درخواست آپ کی توجہ سے شرفِ قبولیت حاصل کرے گی۔

ع ف (۶ جون ۷۸)

خطبۂ جمعہ

# پاکستان کا مطلب کیا؟

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۝

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (البقرۃ ۲ - ۱۶۸) ——

ترجمہ: اے لوگو، ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے ٭ ٭ ٭

## اہل اللہ کا طریق

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جن کو اللہ نے ساری ملت میں، ساری اُمّت میں، ساری قوم میں یہ شرف بخشا کہ وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزار تھیں، آپؐ کی رفیقۂ حیات تھیں، غم خوار تھیں، قوم کے ساتھ جو اس وقت بیت رہی تھی، اس کے متعلق غارِ حرا میں جاکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اللہ سے سرگوشیاں کرنے کا طریقہ اختیار کیا جو اہل اللہ کا اصل طریق ہے۔ آپ سچے وفادار بن کر اپنے پالنہار سے سرگوشیاں کرنے کی اور داد و فریاد کی محفل بپا کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ ضرور سنتے ہیں کیونکہ وہ تو بہت ہی قریب ہیں۔ دل تو خدا کا مقام ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

اور نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ (قٓ : ۱۶) چنانچہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے ہنگاموں سے الگ غارِ حرا میں جبلِ نور میں جا کر اپنے اللہ کے ساتھ تعلق استوار کیا اور ملت میں، قوم قریش میں جو خرابیاں تھیں ان کے متعلق سوچ بچار شروع کی اور اللہ تعالےٰ سے رہنمائی طلب کی۔ کیونکہ آگے چل کر اللہ نے انہیں یہی منصب سونپنا تھا، اسی کی تربیت ہو رہی ہے۔ اسی کی تعلیم ہو رہی ہے، اسی پر اللہ تعالیٰ ان کو پختہ کار کر رہے ہیں۔ اور جو بھی طریقِ عبادت اس وقت تک ان کو معلوم تھا بتوں سے ہٹ کر آپ اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو رہتے اور اس سے رہنمائی حاصل فرماتے۔

## والدہ مرحومہ کے معمولات

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ لاہور تشریف لائے۔ آپ کے سامنے ناشتہ لایا گیا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ گھر کے جو لڑکے بچے، بچیاں ہوں وہ لا کر مجھے دے دو اور یہ چیزیں ساری لے جاؤ اور فرمایا جب کبھی یہاں کھانا کھاتا ہوں تو کئی دن مجھے لطف آتا ہے، نماز میں، عبادت میں سرور ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ مرحومہ کے دور میں ہمارے گھر میں ناشتہ کبھی بنتا ہی نہ تھا۔ کیونکہ دونوں بزرگ عبادتِ الٰہی میں ہمہ وقت مشغول رہا کرتے تھے۔ والدہ مرحومہ تہجّد کے بعد ذکر اذکار میں مشغول ہوتیں اور پھر نمازِ فجر کے بعد بھی مصلّے سے نہ اٹھتیں جب تک کہ روزانہ پانچ پارے تلاوت نہ فرما لیتیں کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے،

یہی ہمارا ناشتہ تھا یعنی ناشتہ کبھی کیا ہی نہیں۔ پھر ان مرحومہ کو خدا نے خواتین کو قرآن حکیم کے ترجمے پڑھانے کی توفیق اور شوق سے نوازا۔ حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ سفر پر کہیں لاہور سے باہر جاتے تو میٹھی روٹیاں والدہ مرحومہ سے پکوا کر لے جاتے تھے اور پانی کے ساتھ کھا لیتے تھے یا چنے بھنوا کر لے جاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے بے نمازوں کے ہاتھوں کی پکی ہوئی روٹیاں کھانے سے مجھے عبادت میں سرور نہیں آتا اور نُور بجھ جاتا ہے۔ اور والدہ مرحومہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے سے عبادت کا اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک نعمت ہے اللہ ہر گھر والوں کو نصیب فرماتے۔

## پاکستان کا نظریہ

ہم اگر اپنی موجودہ حالت کا جائزہ لیں تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے جب ہم نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں تو لوگوں کے دلوں میں دین کا کچھ نہ کچھ احساس تھا، کچھ نہ کچھ خوفِ خدا ضرور تھا۔ عورتوں کے اندر شرم و حیاء اور انسانیت تھی۔ مسلمان عورتوں کا تو ذکر ہی کیا، غیر مسلم عورتوں کے اندر بھی کچھ نہ کچھ شرم و حیاء تھی، حتّٰی کہ ہندو عورتیں بھی پردہ کرتیں اور آج صورتِ حال ایسی افسوسناک ہے کہ "اونچے" خاندانوں کی بہو بیٹیاں کھلے بندوں سرِعام پھر رہی ہیں۔ آپ کسی بھی وقت مال روڈ اور انارکلی جا کر مشاہدہ کریں تو سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کیا یہ وہی ملک پاکستان ہے جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا؟ ہم زبانی طور پر تو قرآن، اسلام اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کا دم بھرتے ہیں، اگر اس کا ہزارواں حصّہ بھی ہماری عملی زندگی میں ہوتا تو ہمارے لیل و نہار بالکل کچھ اور ہوتے۔ گزشتہ پانچ چھ سال میں تو صورتِ حال اس قدر ابتر ہو گئی کہ اس ملک میں اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ قتل و غارت گری اور اغوا اور دیگر معاشرتی برائیاں اس قدر آگے بڑھ گئی ہیں کہ جب ہم اخبار اٹھا کر پڑھتے ہیں تو آنکھیں خُون کے آنسُو روتی ہیں، اس پر جتنا بھی افسوس کریں کم ہے۔ یہ اخبارات دنیا کے دیگر ممالک میں بھی جاتے ہیں۔ دنیا کیا کہتی ہو گی کہ کیا یہ وہی ملک ہے جو ڈیڑھ سو سالہ عظیم قربانیوں کے بعد حاصل ہوا تھا؟ اور آخری ایّام میں تو اسلام اور قرآن کا نام اتنا زیادہ لیا گیا تھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ مطالبہ یہ تھا کہ ہم ایک خطّۂ زمین چاہتے ہیں جس پر اللہ کی حکمرانی ہو اور ہم بلا شرکتِ غیرے اس پر رہ کر قرآن پر عمل کریں۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ الگ ہے، ہمارا خدا الگ ہے، رسول الگ ہے، ہمارا کعبہ الگ ہے۔ ہمارا دین الگ ہے، ہماری تہذیب الگ ہے، ہمارا تمدّن الگ ہے۔ کیا یہی تہذیب تھی؟ یہی تمدّن تھا؟ یہی ہماری تعلیمات تھیں؟ یہی ہمارا وہ اخلاقی نظام تھا جس کے لیے اپنوں کو، پرایوں کو چھوڑا تھا؟ گاندھی جی نے کئی دفعہ مسٹر جناح سے خط و کتابت کی کہ آپ کیوں الگ خطّۂ زمین چاہتے ہیں؟ کیا ضرورت ہے؟ اس ملک میں ہم صدیوں اکٹھے رہتے رہے ہیں۔ کیا اب نہیں رہ سکتے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ پاکستان تو اسی دن بن گیا تھا جب ایک بھی یہاں کا باشندہ باہر سے آنے والوں کی تعلیمات کو سُن کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔ پاکستان کی بنیاد تو اسی دن رکھ دی گئی تھی، اب ہم اس کا تحفّظ چاہتے ہیں۔ کہ ہماری سرحدات کی نشاندہی کر دی جائے۔ آپ اپنے طریقے سے رہیں ہم اپنے طریقے سے رہیں گے، جھگڑا کس بات کا؟ ہماری تہذیب الگ ہے، ہمارا جینا مرنا، ہماری رسوم و رواج بالکل الگ ہیں۔ چنانچہ دو قومی نظریہ کے تحت انگریز بہادر کو جاتے جاتے یہ مسئلہ ہماری منشاء کے مطابق حل کر کے جانا پڑا۔

## علماء کرام کی قربانیاں

ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ مسجد بنانے سے پہلے اختلاف ہو سکتا ہے کہ مسجد بنے یا نہ بنے؟ اس کا نقشہ کیا ہو؟ دو منزلہ ہو کہ ایک منزلہ ہو؟ لیکن جب مسجد بن جائے تو پھر سب کو اس کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ اس میں پھر دو رائیں نہیں ہو سکتیں، اس میں پھر اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ جب پاکستان بن گیا تو ہمارے بزرگوں نے اس ملک کے ساتھ پوری وفاداری کی، علماء کرام نے اپنی جانوں کو جوکھوں میں ڈالا۔ روکھا سوکھا کھا کر دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے تن من دھن نثار کر دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ

نے اسلام کی وہ خدمت کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر ان کے جانشینوں نے اسلام کے پرچم کو سربلند رکھا اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک مثالی اسلامی ریاست کے خاکے میں رنگ بھرتے ہوتے بالاکوٹ کے مقام پر جاں بحق ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تاریخ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت کی حامل ہے۔ علماء کرام نے استخلاصِ وطن کے لیے جو قربانیاں دی ہیں ان کی مثال کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ان بےچاروں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ اگر آپ ان جلیل القدر فرزندانِ اسلام پر معاندین اسلام کے جور و ستم کی داستانیں پڑھیں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کا اجر ان حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ قوم نے اپنے محسنوں کو پہلے کب پہچانا تھا جو اب پہچانے گی۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ نے بے سر و سامانی کے باوجود انگریز جیسی شاطر قوم کا مقابلہ کیا اور ادھر تمام مخالف طاقتوں کی بھرمار تھی۔ مگر یہ فرزندانِ توحید راہِ اسلام میں استقلال کا پہاڑ بنے رہے۔ علماء کا ماضی نہایت تابناک ہے۔ انھوں نے بڑی اذیتیں برداشت کیں اور یہ سب کچھ صرف اسلام کی عظمت کو چار چاند لگانے اور اس کو تحفظ دلانے کے لیے کیا۔ آپ "علماء ہند کا شاندار ماضی"، "آب کوثر"، "موج کوثر" وغیرہ کتب کا مطالعہ کر کے ان بزرگوں کی بہادری اور پامردی کے واقعات پڑھیں تو آپ دنگ رہ جائیں گے۔

## اسلام کی حقیقت

اسلام کے نام پر ہم سے بڑھ کر دھبہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اسلام کے لیے ہم رکاوٹ بنے ہوتے ہیں۔ ہمیں یورپ کے سامنے اسوہ اور نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ لیکن موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ دوسری اقوام و ملل اگر ہمارا عمل دیکھیں تو وہ بھٹک جائیں گی، دور ہو جائیں گی۔ کہیں گی کہ یہ مسلمان ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلماناں در گور مسلمانی در کتاب۔ اسلام کتابوں میں ہے اور مسلمان قبروں میں ہیں۔ ہم اسلام کے نام پر دھبہ ہیں۔ جب تک ہم اپنی عملی اور اخلاقی زندگی میں اسلام کو نہ لائیں اس وقت تک ہم سنور نہیں سکتے۔ نعروں سے اگر سنورتے تو گذشتہ تیس چالیس سال تک ہم نے اسلام کے لیے اتنے نعرے لگائے ہیں کہ شاید اس سے پہلے کبھی بھی اتنے نعرے نہ لگے ہوں۔ اسلام نام ہے کریکٹر کا، اسلام نام ہے سیرت کا، سیرت اور کردار کی پختگی کا۔ جب تک ہم خود اپنی زندگی میں اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے، ہمارے سب دعوے اور نعرے بےمعنی ہیں۔ دوسروں کو اسلام کی دعوت تب دیں، جب ہم خود اسلام پر عمل پیرا ہوں، خود نماز پڑھیں۔ اس کا اثر ہو گا، وزن ہو گا، دوسری قوموں کو ہم تب دعوتِ اسلام دے سکتے ہیں کہ پہلے ہماری اپنی زندگی اسلام کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ ہم اپنے معاشرے میں زکوٰۃ کا نظام قائم کر لیں تب دوسروں کو جا کر کہیں کہ سودی کاروبار ترک کر دو۔ اور اسلام کے رحمت سے لبریز نظام زکوٰۃ پر عمل کر کے دین و دنیا کی فلاح حاصل کر لو۔ اب اندر سے تو ایمان نہیں ہے، اوپر سے اعلان کر کے کہ ہم شراب نہیں پیئں گے، نہ صرف ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ شراب پہلے سے چوگنی سمگل ہو کر پاکستان میں آ رہی ہے۔ وہ گھٹی میں جو شراب پڑی ہوئی ہے وہ کیسے جاتے؟ مدینے میں شراب کے حرام ہونے کا جس وقت اعلان کیا گیا تو کہتے ہیں کہ ہر گھر سے اس طرح شراب بہہ رہی تھی جس طرح بارش کا پانی بہتا ہے اور اس کے بعد کبھی کسی نے چوری چھپے یا دوسری جگہ سے لا کر کے سمگلنگ کر کے شراب کا ایک قطرہ نہیں پیا، نہ ہی اس طرح کا کوئی کیس پکڑا گیا۔ سب سے پہلے اپنے ضمیر کو بدلنا چاہیے۔ اپنے آپ کو اسلام کے اپنانے کی دعوت دینی چاہیے۔ جب اندر ایمان درست ہو جائے گا تو پھر انشاءاللہ جہاں جہاں ہم اسلام کا پیغام عام کریں گے، لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور ایک وقت آئے گا کہ دنیا میں چار سو اسلام کا نظامِ رحمت و اخوت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گا۔

## دعا:

اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیاں معاف فرمائے اور ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور وہ دن جلدی لائے کہ اسلام مکمل طور پر پاکستان میں نافذ ہو جائے۔

مجلس ذکر

انبیاء کے بعد دنیا کا سب سے بڑا انسان

# ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّظلہم ○

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ جمعرات آیت کریمہ کی وجہ سے آپ حضرات سے ہمکلام نہ ہو سکا۔ آج اللہ تعالیٰ کی توفیق سے چند گزارشات پیش کروں گا۔ ہمارے مل بیٹھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے اپنے سینوں کو منوّر کیا جائے، اس کی یاد کو اپنے ہر سانس میں بسایا جائے ہماری زندگی کی ہر ساعت اور گھڑی اس کی یاد سے غافل نہ گزرے۔ جس طرح ہمارے آقا و مولا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

لایزال لسانک رطباً بذکر اللہ۔

"اللہ کے ذکر سے ہر حال میں زبان تر رہے۔" اور خود امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اپنی کیفیت یہ تھی:

کان یذکر اللہ علیٰ کل احیانہٖ۔ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے۔ اور یہی زندگی کا حاصل ہے۔

آج ارادہ یہ ہے کہ جمادی الثانی کے مہینہ کی مناسبت سے اس شخصیّت کا تذکرہ کروں جو ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک انبیاء علیہم السّلام کے بعد سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی، خدا کا ذکر کرنے والی تھی۔ یہ شخصیّت ہے امام المتقین، رئیس الصادقین، افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ ان کا اسوۂ حسنہ اور نمونۂ زندگی ہم ذاکرین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان حضرات کے صدقے ہی ہمیں ذکر اللہ کی توفیق حاصل ہوئی۔ خدا کے ذکر کی محفل میں خدا کے نیک بندوں کا جب ذکر کیا جائے تو اس سے بھی خداوند قدوس انتہائی خوش ہوتا ہے۔ پھر ذکر ہو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جن کے بارے میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَکْرَہُ فَوْقَ سَمَآئِہٖ اَنْ یُخَطَّاَ اَبُوْبَکْرٍ۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر

اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ محبوبِ خدا کے محبوب ابوبکر صدیق رضؓ سے زمین پر کوئی خطا سرزد ہو جائے۔ اہلسنّت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحابہ کرامؓ معصوم نہیں، لیکن گناہوں سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ گناہوں سے ان کو بچائے رکھا۔ ان سے معصیت کو سرزد نہیں ہونے دیا۔ اور اسی وجہ سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے جس صحابی کی بھی اقتدا اور پیروی کرو گے۔ ہدایت و رہنمائی پاؤ گے۔ جب عام صحابہ کرامؓ کی یہ حالت ہے کہ ان کی اقتداء نجات کی ضامن ہے، تو ابوبکر صدیقؓ کی پیروی اور اقتداء بطریقِ اولیٰ نجات کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ وہ انبیاء کے بعد سب سے بڑے انسان ہیں۔ اور ان کی کتابِ زندگی کا کوئی سا صفحہ اُلٹیے شرافت، دیانت، امانت، صداقت، عدالت، شجاعت اور نفاست الغرض جتنی

بھی دنیا میں خوبیاں موجود ہیں اور جو جو کمالات پائے جاتے ہیں۔ خداوندِ قدوس نے ان تمام خوبیوں اور کمالات کو انبیاء علیہم السّلام کے بعد سب سے عظیم انسان اور امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلیفہ بلا فصل میں جمع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کا عکس تھی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر وحی اترتی تھی اور اس کو اللہ نے ابوبکر صدیق رضؓ کے سینے میں محفوظ فرما دیا۔ گویا آپ کا سینہ وحیٔ نبوّت کو محفوظ رکھنے کا محل تھا۔ اور یہی صدیق کی آسان تعریف ہے۔

• بھلا سوچیے تو سہی جس شخص نے اپنے پیغمبر کی زندگی میں اپنا تن من دھن سب کچھ آپؐ پر نثار کر دیا ہو اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی جس نے آپ کے مشن کو پھیلایا ہو، آگے بڑھایا ہو کیا اس کو یہ صلہ دیا جاتا ہے کہ وہ ایک غاصب، خائن اور مرتد تھا۔ (معاذاللہ)۔ ایسے کہنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے سینے بغضِ صدیق سے نہیں بغضِ پیغمبر سے سیاہ ہیں۔ اس لیے کہ حبِ رسول کی علامت حبِ صحابہ ہے اور بغضِ رسول کی علامت بغضِ صحابہؓ ہے۔ صدیقِ اکبرؓ تو کائنات کا وہ عظیم انسان ہے جس پر انسانیت کو ناز اور فخر ہے اور انسانِ کامل وہی ہے جو خدا اور رسول کے احکام کو اپنے وجود اپنے گھر، اپنے اہل و عیال، اپنے خاندان اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے احباب پر ہی نافذ نہ کرے، بلکہ اس کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہو کہ خدا اور رسول کے احکام پوری دنیا میں نافذ ہو جائیں اور اسلام پوری دنیا کے لیے رشد و ہدایت کا سامان فراہم کرے۔ اور یہ جذبہ صدیقِ اکبر کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دنیا فانی سے حیاتِ جاودانی کی طرف کوچ کر جانے کے بعد آپؓ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو تسلّی دینا، جیشِ اسامہؓ کو مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کرنا۔ مسیلمہ کذّاب کا آپ کے عہدِ خلافت میں قتل ہونا، مانعینِ زکوٰۃ سے زکوٰۃ کو وصول کر کے غیر مسلموں کے حوصلوں کو پست کرنا، قرآن کو جمع کر کے عظیم قرآنی خدمت انجام دینا۔ اور بقدر ایک مزدور کی اجرت کے بیت المال سے وظیفہ وصول کر کے ایک اعلیٰ نمونہ آئندہ کے حکمرانوں کے لیے قائم کرنا وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جن سے آپ کی اعلیٰ مدبرانہ قیادت اور انتظامی صلاحیتوں کا پتہ چلنے کے ساتھ ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ والہانہ عشق و محبّت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اور اسی کو کہا جاتا ہے ؎

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے

خداوند قدوس ہمیں جانشینِ رسول صدیقِ اکبرؓ کے نقشِ قدم پر چل کر اصل ایمان کی شرائط پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

*****

بھی دنیا میں خوبیاں موجود ہیں اور جو جو کمالات پائے جاتے ہیں۔ خداوندِ قدوس نے ان تمام خوبیوں اور کمالات کو انبیاء علیہم السّلام کے بعد سب سے عظیم انسان اور امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلیفہ بلا فصل میں جمع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیّت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کا عکس تھی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر وحی اترتی تھی اور اس کو اللہ نے ابوبکر صدیقؓ کے سینے میں محفوظ فرما دیا۔ گویا آپ کا سینہ وحیٔ نبوّت کو محفوظ رکھنے کا محل تھا۔ اور یہی صدیق کی آسان تعریف ہے۔

• بھلا سوچیے تو سہی جس شخص نے اپنے پیغمبر کی زندگی میں اپنا تن من دھن سب کچھ آپؐ پر نثار کر دیا ہو اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی جس نے آپ کے مشن کو پھیلایا ہو، آگے بڑھایا ہو کیا اس کو یہ صلہ دیا جاتا ہے کہ وہ ایک غاصب، خائن اور مرتد تھا۔ (معاذ اللہ)۔ ایسے کہنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے سینے بغض صدیق سے نہیں بغض پیغمبر سے سیاہ ہیں۔ اس لیے کہ حب رسول کی علامت حب صحابہ ہے اور بغض رسول کی علامت بغض صحابہؓ ہے۔ صدیق اکبرؓ تو کائنات کا وہ عظیم انسان ہے جس پر انسانیّت کو ناز اور فخر ہے اور انسانِ کامل وہی ہے جو خدا اور رسول کے احکام کو اپنے وجود، اپنے گھر، اپنے اہل و عیال، اپنے خاندان، اپنے اعزّہ و اقارب اور اپنے احباب پر ہی نافذ نہ کرے، بلکہ اس کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہو کہ خدا اور رسول کے احکام پوری دنیا میں نافذ ہو جائیں اور اسلام پوری دنیا کے لیے رشد و ہدایت کا سامان فراہم کرے۔ اور یہ جذبہ صدیق اکبر کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دنیا فانی سے حیاتِ جاودانی کی طرف کوچ کر جانے کے بعد آپؓ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو تسلی دینا، جیشِ اسامہؓ کو مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کرنا۔ مسیلمہ کذّاب کا آپ کے عہدِ خلافت میں قتل ہونا، مانعین زکوٰۃ سے زکوٰۃ کو وصول کر کے غیر مسلموں کے حوصلوں کو پست کرنا، قرآن کو جمع کر کے عظیم قرآنی خدمت انجام دینا۔ اور بقدر ایک مزدور کی اجرت کے بیت المال سے وظیفہ وصول کر کے ایک اعلیٰ نمونہ آئندہ کے حکمرانوں کے لیے قائم کرنا وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جن سے آپ کی اعلیٰ مدبرانہ قیادت اور انتظامی صلاحیتوں کا پتہ چلنے کے ساتھ ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ والہانہ عشق و محبّت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اور اسی کو کہا جاتا ہے کہ

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے

خداوند قدوس ہمیں جانشین رسول صدیق اکبرؓ کے نقشِ قدم پر چل کر اصل ایمان کی شرائط پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

*****

# عوام کے مسائل

## ہمارے ذرائع ابلاغ کی کارکردگی

خطۂ زمین پاکستان صرف اس بناء پر وجود میں آیا تھا کہ یہاں پر لا الٰہ الا اللہ کی حکمرانی ہوگی، شریعت محمدیؐ کا نفاذ ہوگا۔ لیکن اکتیس سال گزرنے کے باوجود یہاں پر اسلامی قانون کو اپنا جائز مقام نہ ملا۔ آج تک فرنگی کے بنائے ہوئے سیاہ قوانین پر عمل ہو رہا ہے۔ اسلام کے قانون کا نفاذ تو درکنار بے حیائی، عریانی اور فحاشی کی اس ملک میں سرپرستی کی جاتی رہی اور اسے پاکستانی سیاست و کلچر کا نام دیا جاتا رہا۔ اور آج بھی ہمارے ذرائع ابلاغ خصوصاً ریڈیو اور ٹیلی ویژن اس نام نہاد پاکستانی ثقافت کا پرچار کرنے میں مشغول ہیں۔ نئی نسل کو نظریۂ پاکستان اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بجائے ریڈیو اور ٹی وی پر ایسے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔ جس سے نئی نسل دن بدن اسلام سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اور یورپی تہذیب کے قالب میں ڈھل رہی ہے جو لوگ نمازی ہیں وہ بھی ہفتہ اور منگل کی شام کو امرتسر ٹی وی پر فلم دیکھنے کے شوق میں مساجد میں نظر نہیں آتے اور بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

کا منظر آنکھوں میں گھوم جاتا ہے ریڈیو پر فحش گانوں کی بھرمار اور ٹی وی پر حیا سوز اور اخلاق باختہ پروگرام اور ڈرامے جس قسم کے اثرات نئی نسل پر مرتب کر رہے ہیں اور نئی پود گمراہی اور ضلالت کی وادیوں میں جس طور بھٹک رہی ہے۔ اگر ہمارے ذرائع کی کارکردگی یہی رہی تو اس قوم کا پھر خدا ہی حافظ ہے۔

ارباب حکومت کی خدمت میں بصد خلوص عرض ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی سے ایسے تمام پروگرام بند کر دیے جائیں جن سے اسلام دشمن قوتوں کو تقویت ملتی اور نظریۂ پاکستان پر زد پڑتی ہے۔

اسعد محمود، واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

## نکاسیٔ آب کا ناقص انتظام

مکرمی! آپ کے ہفت روزہ کی وساطت سے مارشل لاء حکام کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے حلقہ میں میاں معراجدین سابق ایم پی اے جو بااثر شخصیت ہے اور جس کا سیاسی حدود اربعہ یہ ہے کہ ہر چڑھتے سورج کا پجاری ہے۔ ایوب خان کے زمانہ میں ایوب خان کے ساتھ رہا اور بھٹو کی حکومت میں ان کے ظلم و جور کا حامی و ناصر، خصوصاً بھٹو کے "عوامی دور" میں دیگر افراد کی طرح اس شخص نے بھی خوب مال اکٹھا کیا۔ جس کے بل بوتے پر آج یہ شخص اہالیان باغبانپورہ کے لیے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہو رہا ہے۔ باغبانپورہ میں کراؤن ورکشاپ کے علاوہ اس کا ایک برف خانہ ہے جو جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔ اس کی نکاسی آب کا نظام انتہائی ناقص ہے۔ ہروقت برف خانہ کے ساتھ والی گلیاں پانی میں ڈوبی رہتی ہیں۔ آنے جانے والے مزدور اور ملازم پیشہ افراد کو جہاں تکلیف ہوتی ہے وہاں قرب و جوار کے مکانات کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہروقت گلیوں میں پانی کھڑا رہنے کے سبب مکانات کی بنیادیں کمزور پڑ جانے اور گرنے کا اندیشہ ہے۔ سب سے زیادہ اذیت ناک پہلو یہ ہے کہ برف خانہ کے عقب میں واقعہ مسجد کے نمازی انتہائی تکلیف کے عالم میں ہیں۔ کیونکہ مسجد کے دروازہ کے سامنے پانی کھڑا رہنے کے سبب نمازیوں کو آنے جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ لاہور میونسپل کارپوریشن کے ارباب اختیار نے ابھی تک اس جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ زبانی طور پر کوئی شخص اس سے بات کر کے اپنی جان و مال کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتا۔ ایک دو شریف اور بااثر لوگوں نے اس سے کہا بھی تو جواب یہ ملا کہ تم انجنیئر نہیں ہو کہ تمہاری بات مان لی جائے۔

مارشل لاء حکام سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ اس شخص کی اس ناروا حرکت سے ہمیں بہرصورت نجات دلائی جائے۔

فیض محمد، عبدالرسول اور دیگر اصحاب
باغبانپورہ لاہور

# درسِ حدیث

حضرت العلام حافظ نور الحسن صاحب
پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال توضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ مرۃ لم یزد علی ھذا!
(رواہ البخاریؒ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا اور وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان کو صرف ایک ایک مرتبہ دھویا ہم اور آپ تین تین مرتبہ دھوتے ہیں اور وہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ کوئی شخص صرف ایک مرتبہ دھوتا ہے اور اس کے بعد نماز پڑھ لیتا ہے. تو نماز اس کی ہو جائے گی۔ فرض کیجئے کہ آپ کے پاس پانی کم ہے تو یہ بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دھو لیا جائے۔ بجائے اس کے کہ ایک آدمی تین تین مرتبہ دھوئے ایک تیمم کرے دونوں ایک ایک مرتبہ دھو لیں۔ حضور علیہ السلام نے جو اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھویا تو بتلانے کو کہ ایسا کرنا جائز ہے کہ ایسے مواقع پر ایسا ممکن ہے۔ ابھی دو دو مرتبہ دھونے اور تین تین مرتبہ دھونے کا بھی ذکر آئے گا۔۔۔ اور موقع و محل کے اعتبار سے سبھی درست ہے۔ ہمارے ہاں عام خیال ہوتا ہے کہ تین مرتبہ نہ دھویا تو وضو نہیں ہوگا. یہ بات صحیح نہیں بلکہ اگر پانی کم ہے تو ایک مرتبہ بھی دھویا جا سکتا ہے۔

پانی کی کمی کا میں اس لیے ذکر کرتا ہوں کہ اگر پانی کی افراط ہے تو پھر تین تین مرتبہ دھویا جائے جس میں ثواب زیادہ ہے۔ پانی کی کمی کی صورت میں ایک مرتبہ دھونے کے لیے اللہ کے یہاں آپ کا ایک عذر ہے۔ آپ کو صحیح وضو کا ثواب مل جائے گا۔ گویا ضرورت کے اعتبار سے ایک ایک مرتبہ دھو کر نماز پڑھ لی تو نماز درست ہو جائیگی

عن عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم توضأ مرتین مرتین۔

حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ وضو فرمایا۔ اور آپ نے سب اعضاء کو دو دو مرتبہ دھویا گویا ایک مرتبہ بھی دھویا اور دو مرتبہ بھی! اس کو یوں سمجھیں کہ ایک مرتبہ دھونا ایسی بنیاد ہے جس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں اور جب وضو نہیں ہوتا تو نماز بھی نہیں۔ دو مرتبہ دھونا ایسا سمجھ لیجئے جیسے نور علی نور ہے۔ تین مرتبہ دھونا زیادہ سے زیادہ پاکیزگی کا باعث و ذریعہ ہے اس سے زیادہ پانی کا اسراف ہے لیکن اگر کسی بے چارے نے ایسا کر لیا تو وضو ہو جائے گا نماز ہو جائے گی گو یہ غلطی اور آداب کے خلاف! (وسواس کے مریض بے چارے ایسا کرتے ہیں)

عن عثمان رضی اللہ تعالی عنہ انہ توضأ فی المقاعد فقال الا اریکم وضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فتوضأ ثلاثا ثلاثا (مسلم)

حضرت عثمانؓ نے مقاعد میں وضو کیا (مقاعد ایک مکان کا نام ہے یا یہ کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی سے باہر ایک چھوٹا سا میدان بنوا دیا تھا کہ اگر کسی نے بات چیت کرنی ہو یا اشعار پڑھنے ہوں تو وہ اس میدان کو استعمال کرے۔ مسجد میں ایسا نہ کرے اس کا نام مقاعد ہے اور رحبہ (کھلی جگہ) بھی اس کو کہتے ہیں یہ دو قول ہیں) اور فرمایا کہ میں تمہیں حضور علیہ السلام کا وضو کر کے نہ دکھلاؤں؟ اس کے بعد وضو فرمایا تو ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔ گویا ایسا کرنا زیادہ

موجب ثواب ہے اور حضور علیہ السلام نے اکثر بیشتر ایسا ہی کیا۔

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رجعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکۃ الی المدینۃ الخ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رض فرماتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ واپس جا رہے ہیں حضور علیہ السلام ساتھ تھے جب ایک چشمہ پر پہنچے تو ایک جماعت نے جلدی سے جاکر وضو کیا۔ عصر کا وقت تھا مکروہ وقت سے بچنے کے لیے جلدی سے وضو کیا، جلدی کے سبب ٹخنے سوکھے رہ گئے۔ حضور علیہ السلام نے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ایسے ٹخنے جو وضو کے وقت سوکھے رہ گئے ان کے لیے دوزخ کی وہ وادی ہے جس کو ویل کہتے ہیں۔ پھر فرمایا وضو کرو اور پوری طرح کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ پاؤں میں ٹخنے بھی شامل ہیں۔ جن اعضاء کا دھونا ضروری ہے ان میں سے ایک بال بھی سوکھا رہ گیا تو وہ صحیح نہ ہوگا اور اس کے بعد نماز بھی غلط!

عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توضأ ومسح علی الناصیۃ وعلی العمامۃ وعلی الخفین۔

حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا۔ تو آپ نے اپنی پیشانی کے بالوں، دستار مبارک اور موزوں پر مسح فرمایا۔ اس میں مسئلہ ہے سر کے مسح کا؟ حضرت امام مالک تو پورے سر کا مسح فرض ہیں۔ امام شافعیؒ دو بالوں تک کو جائز کہتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس میں ناصیہ کا ذکر ہے۔ ناصیہ کہتے ہیں موئے پیشانی کو، پیشانی پورے سر کا چوتھائی ہے اس بنیاد پر وہ چوتھائی سر کا مسح فرماتے ہیں (فرض) ورنہ ادب کا انداز اور ہے اور وہ سیکھنے سے آتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی دستار مبارک پر مسح فرمایا۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ چوتھائی سر کا مسح کر کے ساتھ ہی عمامہ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے سر پر مسح کے لیے دستار کو پیچھے ہٹایا پھر جو اسے درست کیا تو دیکھنے والے نے ایسا سمجھ لیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی محض پگڑی پر مسح کرے سر پر بالکل نہ کرے تو مسح نہیں ہوگا۔ مسح تو بہرحال سر کا ہی ہوگا اگر پگڑی ٹوپی ہے تو کم از کم چوتھائی سر ننگا کر کے مسح کرے۔

تیسری بات ہے موزوں پر مسح! اگر کوئی شخص وضو کے بعد موزے پہن لے تو مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات اس پر مسح کر سکتا ہے۔ بنیادی شرط یہ ہے کہ موزے وضو کے بعد پہنے ہوں۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیمن ما استطاع فی شانہ کلہا فی طہورہ وترجلہ وتنعلہ۔
(متفق علیہ)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ کوئی کام ہو اہمیت کا ہونا اس میں حضور علیہ السلام کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا شوق تھا مثلاً وضو کرنا، کنگھی کرنا، جوتا پہننا۔ جب مسجد میں داخل ہونے لگے تو ادب یہ ہے کہ پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالے اور دایاں مسجد میں رکھے اور جانے لگے تو بایاں پاؤں نکال کر پاؤں پہلے نکالے اور دایاں بعد میں لیکن جوتا پہلے دایاں پہنے۔ مشائخ کو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں باتوں کو جمع کرتے۔

جب مسجد سے نکلے تو بایاں پاؤں نکال کر پاؤں جوتے پر رکھ لیا اور دایاں نکال کر پہلے جوتا پہن لیا پھر بایاں پہنا۔ حضور علیہ السلام قمیص پہنتے تو پہلے دائیں آستین پھر بائیں۔ شلوار آپ نے پہنی نہیں۔ البتہ آپ نے پسند بہت فرمایا اور اس کے لیے کپڑا خریدا اور فرمایا کہ زندگی رہی تو آئندہ یہ پہنیں گے یہ پردہ پوشی بہت ہے۔ مسواک بھی پہلے دائیں طرف ہو۔

**نیل پالش کا مسئلہ** کسی خاتون نے نیل پالش لگا رکھی ہو اور وہ وضو کرے تو اس کا وضو نہیں ہوگا۔ مہندی ہو تو وضو ہو جائے گا مسئلہ یہ ہے کہ جو چیز جسم میں پہلی جائے جذب ہو جائے (مہندی) تو وضو ہو جاتا ہے۔ جس کی تہہ جم جائے (نیل پالش) تو وضو نہیں ہوگا۔ وہ مزدور وغیرہ جو سیمنٹ وغیرہ کا کام کرتے ہیں انہیں بڑی احتیاط سے وضو کرنا چاہیے اور خارجی اثرات اچھی طرح صاف کرلیں۔ سرمہ میں بھی حضور علیہ السلام دائیں طرف سے شروع کرتے اس میں ادب یہ ہے کہ پہلے دائیں آنکھ میں دو سلائی ڈال کر پھر بائیں میں دو سلائی لگائیں پھر تیسری سلائی دائیں آنکھ میں، اس میں طاق عدد کی رعایت ہو جائے گی۔ الغرض جن امور میں پاکیزگی کا مسئلہ ہے وہاں آپ کا معمول دائیں طرف سے ابتدا کا تھا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا لبستم واذا توضأتم الخ (رواہ احمد)

آپ نے فرمایا کہ جب کچھ پہنو یا وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو۔

عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ۔

حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وضو سے پہلے اللہ کا نام لیا جائے گویا وضو کی نیت اللہ کا نام لینے سے درست ہوگی۔ ذکر اللہ کے نام کا ہو رہا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نہیں اور یہ اس لیے کہ اس میں الفاظ مختلف ہیں۔ بعض نے کہا کہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ بعض نے تعوذ و تسمیہ کہا لیکن اکثر نے یوں کہا بسم اللہ والحمد للہ علی دین الاسلام۔ اگر کوئی اللہ کا نام نہیں لے گا تو وضو تو ہو جائے گا لیکن نام لینے سے جو ثواب ہوتا ہے اس سے محروم رہیگا اور اس حدیث میں وضو کی نفی کا مقصد یہ ہے کہ جس اللہ کی نماز پڑھتے ہو اور اس کے لیے وضو کرتے ہو اس کی ابتدا میں اس کا نام نہ ہو؟ یہ کیا وضو ہے؟ اور یہ مشکل تو ہے نہیں۔

## دعائے صحت

● حضرت الامام لاہوریؒ کے خصوصی صاحب تعلق مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی آف روزنامہ جنگ راولپنڈی کے اکلوتے لڑکے میجر طاہر صاحب بلوچستان میں ٹریفک کے حادثہ میں زخمی ہونے کے بعد راولپنڈی سی ایم ایچ میں زیر علاج ہیں۔

● اسی طرح حضرت امیر شریعت کے خصوصی صاحب تعلق مولوی غلام صادق صاحب بٹ آف راولپنڈی عرصہ سے بیمار ہیں۔

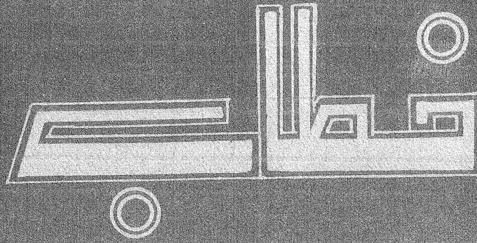
● ہمارے کاتب عبدالمجید صاحب کے حقیقی بھتیجے محمد سلیم ایک عرصہ سے شدید قسم کے بخار وغیرہ میں مبتلا ہیں مسلسل علاج کے بعد صحت قدرے سنبھلنا شروع ہو گئی ہے تاہم نقاہت بے پناہ ہے۔

ان حضرات کی تندرستی و بحالی صحت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ علوی — مدیر

******

# خیر المدارس مُلتان میں

## مولانا قاری مُحمد طیب کا




ترتیب : مولانا مُحمد ازہر صدر مدرس خدام القرآن

بقیۃ السلف حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بدھ ۳ مئی کو سرزمین ملتان کو اپنی تشریف آوری سے مشرّف فرمایا۔ حضرت مدظلہٗ دن نو بجے کراچی سے بذریعہ طیارہ ملتان پہنچے۔ ہوائی اڈے پر عالم اسلام کے اس عظیم فرزند اور دنیائے اسلام کے اس بے تاج بادشاہ کے استقبال کے لیے مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ مولانا محمد شریف جالندھری اور حضرت قاری رحیم بخش مدظلہ کے علاوہ دیگر جیّد علمائے کرام، طلباء اور عوام کا جم غفیر موجود تھا۔ حضرت مدظلہ سب سے پہلے حضرت مفتی محمود صاحب کی معیت میں مدرسہ قاسم العلوم تشریف لے گئے جہاں آپ نے علماء و طلبہ سے خطاب فرمایا اور سندِ حدیث کی اجازت فرمائی۔ بعدازاں دن گیارہ بجے مدرسہ خیرالمدارس کی سالانہ تقریب تقسیم اسناد و دستاربندی میں شرکت کے لیے خیرالمدارس تشریف لائے ظہر کے بعد بعض خواتین نے حضرت سے بیعت کی۔ جنہیں آپ نے کچھ دیر خطاب فرمایا۔ عصر سے کچھ دیر قبل حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں شاہ جیؒ کے دولت کدہ پر اظہار تعزیت کے لیے گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد دوبارہ خیرالمدارس تشریف لائے۔ علماء طلباء اور عوام ہزاروں کی تعداد میں حضرت حکیم الاسلام کی کی زیارت اور ارشادات سننے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ جنہیں آپ نے مغرب کی نماز کے بعد خطاب فرمایا۔

خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"بزرگان محترم! میری اس حاضری کا مقصد ملتان میں نہ کوئی جلسہ تھا نہ مجلس تھی، نہ تقریر و وعظ کا کوئی تخیل ذہن میں موجود تھا۔ میری حضرت مولانا خیر محمدؒ کی وفات کے بعد پہلی حاضری تھی۔ میں تعزیت کے لیے آیا تھا اور تعزیت کے لیے مجمع و مجلس نہیں ہوتی۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ کسی جلسہ کا انتظام کیا گیا ہے تو میں روک دیتا اور امید ہے کہ میری بات مان بھی لی جاتی۔ تقاریر کے لیے نشاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر میں یہاں بجھے ہوئے دل کے ساتھ حاضر ہُوا ہوں۔ مولاناؒ کا غم دل میں تھا وہ یہاں آکر تازہ ہو گیا۔ میرا ان سے گہرا تعلق تھا۔ مولاناؒ جب جالندھر میں تھے اور

میں سفر پر روانہ ہوتا تو دو جگہوں پر میرا اترنا ضروری ہوتا تھا جالندھر اور امرتسر۔ جالندھر میں حضرت مولاناؒ کی وجہ سے اور امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی وجہ سے۔ یہاں آکر وہ پوری تاریخ سامنے آگئی، جس سے دل بجھ گیا۔ اب میں کیا تقریر کروں۔ اوپر سے میرا ضعیفی کا عالم ہے۔ قویٰ میں اضمحلال آگیا، اس حال میں کیا تقریر ہو؟ بہرحال جب حضرات جمع ہوگئے اور اس مخصوص حالت میں آکر بیٹھ گئے تو ان کا احترام ضروری ہوا اس لیے مجھے کچھ کہنا ضروری ہوا تو اس سلسلہ میں یہ تعزیتی جلسہ ہوگا کوئی خاص وعظ نہ ہوگا

تو میں حضرت مولانا کے بارے میں عرض کر رہا تھا۔ ان کی ذات مقناطیسی تھی۔ لوگ خود بخود مولانا کی طرف کھنچتے چلے آتے تھے۔ ان کی وفات حقیقتاً "موت العالِم موت العالَم" کا مصداق تھی کیونکہ عالم کے وجود سے عالَم میں حیات پھیلتی ہے۔ علمِ دین حیات ہے۔ اسی لیے قرآن کو حیات قرار دیا گیا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی فرمائی۔ الخ کہ اس کے وجود سے حیات پھیلتی ہے اور اس کو چھوڑنے سے موت، وہ روح کتاب اللہ ہے وہی حقیقت میں سارے عالم کی زندگی ہے۔ یہ روح ایک فرد سے نکل جائے تو وہ مردہ ہو جائے گا۔ اور ساری کائنات سے نکل جائے تو وہ مرجائے گی تو حیاتِ عالم قرآن اور علم دین سے وابستہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے لاتقوم الساعۃ حتّٰی یقال۔ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا رہے گا۔ جب یہ روح نکل جائے گی کائنات ختم ہو جائے گی۔ نہ صرف پورے عالم بلکہ ہر ہر جزء کی یہ روح ہے۔ درخت بھی تسبیح پڑھتے ہیں، پانی بھی غرضیکہ زمین و آسمان کی ہر شے اپنی اپنی شان کے مطابق تسبیح میں مشغول ہے۔ وہ تسبیح ہی ان کی روح ہے۔ درخت جب تک موجود ہے تسبیح جاری ہے لکڑی کٹ گئی تو روح نکل گئی تسبیح بند ہو گئی تو جلانے کے قابل ہو جاتی ہے۔ جاری پانی بھی خدا کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ جب پانی ٹھہر جائے تو تسبیح رک جاتی ہے اب پانی میں بدبو بھی پیدا ہو جائے گی۔ سڑ بھی جائے گا۔ اس لیے کہ تسبیح بند ہونے کی وجہ سے حیات منقطع ہو گئی تھی۔ فقہ میں ہے کہ ایسے کپڑے پہن کر امامت مکروہ ہے جو میلے ہوں۔ جن سے پسینے کی بدبو آتی ہو۔ ظاہری وجہ یہ ہے کہ امام کے کپڑے میلے ہوں گے ان سے پسینے کی بدبو آتی ہوگی۔ تو اس کے کپڑوں کی وجہ سے مقتدیوں کو تنفر ہوگا۔ اس لیے ایسے کپڑوں سے امامت مکروہ ٹھہری حقیقی وجہ یہ ہے کہ کپڑا میلا ہو کر تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔ تسبیح ختم ہونے سے روح میں انقباض ہوتا ہے۔ تو دراصل تسبیح روح ہے روح ختم ہو گئی تو جسم مردہ ہو گیا۔

قرآن میں ارشاد ہے وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ۔ کہ ہر چیز قرآن کے ارشاد کے مطابق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شیر دھاڑ رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ تسبیح خداوندی میں مشغول ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہاتھی چنگھاڑ رہا ہے لیکن فی الحقیقت تسبیح بیان کر رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پرندے چہچہا رہے ہیں۔ دراصل تسبیح خداوندی بیان ہو رہی ہے۔ "ہر یکے را لسان دادہ ایم" ہر ایک اپنی زبان میں تسبیح میں مشغول ہے۔ ہم ان کی زبان نہیں سمجھتے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ہم اپنے بھائی بندوں کی زبان نہیں سمجھتے اور اگر پرندوں کی زبان بھی نہ جانیں تو کیا حیرت کی بات ہے؟ اگر کوئی سنسکرت میں کچھ کہے تو ہم کچھ نہ سمجھیں گے۔ اسی طرح یہاں کوئی پختون پشتو میں تقریر کرے تو ہم کچھ نہ جان سکیں گے۔ کوئی عربی میں مقالہ پڑھے تو تم کیا سمجھو گے اور اگر کوئی ٹھیٹھ پنجابی میں بات کرے تو میں کیا سمجھوں گا۔ تو جانوروں اور پرندوں کی تسبیح نہ سمجھنا کوئی باعث تعجب نہ ہونا چاہیے جبکہ ہم اپنے بھائی بندوں کی زبان تک نہیں جانتے ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ باقی معجزے کے طور

پر بتانا اس کی حکمت ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھتے تھے یا آواز معجزانہ طور پر کبھی ہمارے کانوں میں بھی آ سکتی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ چند کنکریاں ہاتھ میں اٹھائیں تو ان سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کی آواز آ رہی تھی۔ آپ نے کنکریاں ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ میں دے دیں آواز جاری رہی انہوں نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیں تسبیح کی آواز برابر سنائی دیتی رہی۔ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں دیں۔ آواز بند ہو گئی۔ تسبیح اب بھی جاری ہے لیکن آواز کا آنا بند ہو گیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ ٹیلیگراف آفس جائیں، اور کہیں کہ فلاں شہر میں میرے آنے کی اطلاع کر دیں۔ وہ جواب میں اپنے سامنے لگے ہوئے آلے پر ہاتھ مار کر ہاتھ سے دو چار دفعہ کھٹ کھٹ کر دے۔ آپ کہیں گے کہ عجیب بے وقوف ہے میں نے کیا کہا ہے اور اس نے کھٹ کھٹ کر دی ہے۔ تو وہ جواب میں کہے گا کہ اصل میں بے وقوف آپ ہیں یہ کھٹ کھٹ اصل میں علم ہے جو دوسری جگہ پہنچ رہا ہے۔ اس کو وہی شخص سمجھتا ہے جس نے اس کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے کہ مثلاً ایک دفعہ کھٹ کرنے سے الف بنتا ہے دو دفعہ کھٹ کھٹ سے باء بنتی ہے تین دفعہ کھٹ کھٹ سے تاء بنتی ہے لیکن ہم اس کھٹ کھٹ سے کچھ نہیں سمجھ پاتے۔ تو جیسے ہم صرف کھٹ کھٹ سنتے ہیں لیکن علم نہیں، ایسے ہی پرندے ہیں ہم ان کی آواز سنتے ہیں لیکن علم نہیں رکھتے اسی طرح ملائکہ بھی تسبیح کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعض ملائکہ کی تسبیح یہ ہے۔ سبحان من زین الرجال باللحی وسبحان من زین النساء بالذوائب۔ کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھیوں کے ساتھ زینت بخشی اور عورتوں کو مینڈھیوں کے ساتھ۔ اسی طرح جنّ بھی تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں۔

غرضیکہ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق تسبیح میں مصروف ہے بلکہ قرآن میں تو ہر ایک نماز کا بھی ذکر ہے کل قد علم صلوٰتہ وتسبیحہٗ۔ باقی ہر ایک کی نماز اس کی ہیئت کے مطابق ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ لکھتے ہیں کہ درختوں کی نماز میں قیام ہے رکوع و سجود نہیں وہ ہر وقت خدا کے سامنے حالت قیام میں ہیں۔ دواب کی نماز میں رکوع ہے وہ ہر وقت اپنے پروردگار کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ ان کی نماز میں قیام اور سجود نہیں۔ سانپ، بچھو، زمین پر رینگنے والے حشرات الارض ہر وقت سجدے کی حالت میں نظر آئیں گے۔ ان کی نماز میں سجود ہے رکوع اور قیام نہیں، پہاڑوں کی نماز تشہد ہے گویا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے بیٹھے ہیں ان کی نماز میں رکوعؑ سجود و قیام نہیں۔ جنت و جہنم کی بھی نماز ہے ان کی نماز دعا کرنا ہے ان کی دعا ہے کہ اے اللہ! ہم کو بھر دیجئے۔ قیامت میں بھی ان کی آواز بند نہ ہو گی۔ ھل من مزید کی صدا آئے گی۔ تو جنّت کو تو بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ مستقل مخلوق پیدا فرمائیں گے جس سے جنت بھری جائے گی اور جہنم میں اپنا قدم رکھ دیں گے جیسے ان کی شان کے لائق ہے اس سے جہنم قط قط کی آواز کرے گی کہ بس اب مزید ضرورت نہیں۔ ملائکہ کی نماز صف بندی ہے وہ ہر وقت صف باندھے نظر آئیں گے۔ ستارے جو ہر وقت گھومتے ہیں ان کی نماز حرکت و دوراں ہے۔

یہ حق تعالےٰ کا فضل و احسان ہے کہ اسلام کی نماز میں تمام عالم کی نمازوں کو اکٹھا فرما دیا ہے۔ اسلام کی نماز میں درختوں کا قیام بھی ہے ڈواب کا رکوع بھی ہے حشرات الارض کا سجود بھی ہے۔ پہاڑوں کا تشہد بھی ہے۔ ملائکہ کی صف بندی بھی ہے، سیّارات کا دوراں بھی ہے کہ جس طرح سیّارات گھوم کر اپنی گردش پوری کرنے کے بعد اپنی جگہ واپس آ جاتے ہیں اسی طرح نمازی دوسری رکعت میں انہی افعال کو دوبارہ کرتا ہے جن سے پہلے شروع کیا تھا۔ اسی لیے تنہا ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت ہے تو دو یا تین رکعت والی نماز میں دوراں ہوتا ہے جہاں سے چلے تھے پھر وہیں آ گئے۔ تو نماز میں سیّارات کی گردش بھی ہے

تو یہ جامع ترین عبادت ہے کہ آدمی تذلل کے ساتھ اپنے خدا کے سامنے پیش ہو۔ انتہائی درجے کی ذلت پیش کی جائے اس لیے کہ وہ ذات انتہائی معزز ہے اور کوئی عزت کا درجہ باقی نہیں تو عبادت میں ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے ذلت کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ باندھ کر کسی ذات کے سامنے کھڑا ہو۔ پھر اس میں ترقی ہوئی اور قیام سے رکوع میں جھک گیا۔ یہ ذلت کا درمیانی درجہ ہے پھر مزید ذلت کا اظہار کیا اور سر کو زمین پر رکھ دیا۔ یہ ذلت کا انتہائی درجہ ہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر ہاتھ اٹھا کر بھیک مانگنے لگے۔

تو نماز میں افعال و اذکار تمام ذلت ہیں اس لئے حقیقی معنی میں عبادت نماز ہے دوسری عبادتیں اس طرح نہیں مثلاً روزہ ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام ہے۔ تو یہاں تو کھانے پینے سے مستغنی ہوتا ہے۔ مستغنی ہونا تو عزت ہے اس میں ذلت کہاں ؟ یہ تو عین عزت ہے مگر تعمیل ارشاد کی وجہ سے عبادت بن گیا۔

ایسے ہی زکوٰۃ کے معنی اعطاء ہیں۔ اپنے مال سے دوسرے کی مدد کرنا۔ یہ بھی عین عزت ہے، اس میں ذلت کا پہلو کہاں ؟ مگر یہ بھی تعمیل حکم و ارشاد کی بناء پر عبادت ٹھہری وگرنہ ان میں فی ذاتہا عزت ہے ذلت نہیں اور عبادت ذلت ہی کا نام ہے۔ اسی طرح سچ بولنا عبادت ہے اس میں تشبّہ ہے ذات باری کے ساتھ قال تعالیٰ و من اصدق من اللہ قیلا۔ و من اصدق من اللہ حدیثا۔

تو ذات باری کی صفات سے متصف ہونا تو عین عزت ہے۔ اس میں ذلت کہاں ؟ تو یہ بھی تعمیلِ حکم سے عبادت بن گیا۔ لیکن نماز کی ہر چیز ذلت ہے عبادت ہے اس میں خاصیت ہی اظہار تذلل ہے اس لیے ہر چیز پر نماز کو فرض کیا گیا ہے۔ حج و زکوٰۃ کو نہیں کل قد علم صلوٰتہ فرمایا ہے۔ کل قد علم زکوٰۃ یا حجہ نہیں فرمایا۔ سب کے لیے عبادت نماز ہی کو قرار دیا گیا۔ تو اصل معنی میں عبادت نماز ہے باقی نہیں۔

دوسری عبادتیں محض تعمیلِ ارشاد کی بناء پر عبادت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کا حقیقی رابطہ خداوند سے نماز کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا زکوٰۃ دینے سے مخلوق سے تعلق ہے روزے سے بھی استغناء پیدا ہوتا ہے تو یہ محض حکم الٰہی کی تعمیل کی وجہ سے عبادت قرار دئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر نماز کے ربط مع اللہ نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تجھ کو حیا نہیں آتی مجھ کو چھوڑتا ہے ہم تیری طرف متوجہ ہیں اور تو دوسری طرف۔ اگر توبہ کر لے تو رابطہ قائم ہو جاتا ہے وگرنہ کٹ جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ فجر و عصر سے معبود کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ قرب اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ایک وقت میں صرف خیالِ یار اور پھر صرف تصور محبوب تک نوبت پہنچتی ہے۔ بالآخر آخرت میں آنکھوں سے دیکھنا ہوگا۔ تو قرآن کو اللہ نے روح قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے وہ روح ہم تک پہنچی۔ ضعف بلکہ عدم روح کے نکل جانے کی علامت ہے دنیا میں مسلمان شکایت کرتے ہیں۔ کہ فلاں قوم نے ہم کو ختم کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہ شکایت غلط ہے۔ شکایت تو کفار کو چاہیے تھی کہ تم اپنی جگہ اور راستے سے ہٹ گئے۔ اس لئے ہم بھی سیدھی راہ کو نہ پہچان سکے۔ مسلمان کو امام اقوام بنایا گیا ہے۔ جب امام کا وضو نہ ہو تو مقتدی کی نماز کیسے ہو گی۔ وہ روح جب تک مسلمان میں موجود ہے وہ قوی ہے اور جب وہ روح نکل گئی تو ضعیف ہے۔ مثلاً گیند میں ہوا ہے اس کو جتنے زور سے نیچے پٹخا جائے وہ اتنی قوت سے اوپر اٹھیگی اگر سوئی چبھو کر ہوا نکال دیں اب اس کو ہزار پٹخیں نیچے ہی پڑی رہیگی اس لیے کہ روح نکل چکی ہے۔ ایسے مسلمان کی روح قرآن ہے اب تم میں روح نہیں تم بے جان ہو۔ روح کے بغیر انسان لاشہ بن جاتا ہے۔ زمین پر اس کا باقی رکھنا تعفّن اور بدبو کا سبب ہے اس لیے کچھ جلا دیتے ہیں کچھ پانی میں بہا دیتے ہیں اور کچھ لوگ دفن کر دیتے ہیں۔ روح نکل جانے کے بعد ہر انسان فرض

سمجھتا ہے کہ اس کو ٹھکانے لگائے اس کا کوئی برا نہیں مناتا۔ لیکن روح کے ہوتے ہوئے کوئی نہیں دباتا اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کو قتل کہیں گے۔ ہر انسان اس کو برا سمجھے گا۔ دنیا کا قانون حرکت میں آجائے گا لیکن مردہ جسم کو جلا دیں خواہ دبا دیں خواہ دریا برد کر دیں کوئی برا نہیں مانتا یہ کسی قانون کی نظر میں جرم نہیں عین مصلحت ہے۔ تو مسلمان کی روح نکل گئی ہے اب دوسرے اس کو دبائیں گے تو اللہ نے اپنی روح ڈالی جو قرآن ہے۔ تو عالم کی روح قرآن ہے۔ جب روح نکل گئی تو عالم کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس روح کا سب سے بڑا مرکز بیت اللہ ہے وہیں سے انوار پھیلتے ہیں بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ سب سے پہلے بیت اللہ ختم ہو گا۔ پھر قیامت قائم ہو گی۔

اگر بادشاہ کسی سفر پہ روانہ ہو تو سب سے پہلے بادشاہ کا خیمہ لگایا جاتا ہے پھر دوسرے وزراء و امراء کے خیمے نصب کئے جاتے ہیں۔ لیکن جب اٹھائے جائیں تو پہلے بادشاہ کا خیمہ اکھاڑا جاتا ہے ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ۔ یہ خیمہ شاہی ہے سب سے پہلے اسی کو قائم کیا گیا۔ جب دنیا ختم ہو گی تو پہلے شاہی خیمہ کو اٹھایا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ چھوٹے چھوٹے پاؤں والا ایک شخص بیت اللہ کی ایک ایک اینٹ اکھاڑ دے گا۔ تو پہلے شاہی خیمہ اٹھے گا۔ پھر تمام مساجد و عبادت گاہیں ختم ہوں گی تو اولین چیز بیت اللہ ہے۔ ذرا قیامت میں پہلے اسی کو ختم کیا جائے گا۔

تو موت حقیقت میں ذکر اللہ کے ختم ہونے کا نام ہے۔ جب تک ذکر خدا باقی ہے کائنات کو حیات ہے۔ جب ذکر ختم ہو گا زندگی ختم ہو جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے مثل الذاکر فی الغافلین کمثل الحی فی الاموات۔ کہ ذاکر کی مثال ذکر نہ کرنے والوں میں مردوں میں زندہ کی طرح ہے۔ گویا کہ ذکر ترک کرنے والوں کو مردہ قرار دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کان یذکر اللہ فی کل احیانہ۔ آپؐ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تو امت میں جو لوگ آپؐ کے اشبہ ہیں۔ ان کا بھی کوئی لمحہ ذکر سے خالی نہیں اس لیے جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے تو عالم کی اس موت کو عالم کی موت قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا خیر محمدؒ جیسے اسم کے خیر تھے ایسے ہی مستی میں خیر تھے ایسے عالم ربانی کا اٹھ جانا موت عالم نہیں تو علامات موت عالم تو ضرور ہے اسی لیے موت کو فزع قرار دیا گیا ان الموت فزع۔ لیکن موت نعمت بھی ہے اس لیے کہ اس کے بغیر پھر زندگی نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے کہ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا فرشتوں نے عرض کیا کہ اتنی مخلوق زمین و آسمان میں کیسے سمائے گی۔ ارشاد فرمایا کہ موت مسلط کر دوں گا پرانے مر جائیں گے نئے آئیں گے۔ فرشتوں نے عرض کیا موت کا خیال رہے گا۔ تو زندگی تلخ ہو جائے گی ہر وقت اسی فکر میں رہیں گے۔ دنیا کا کاروبار کیسے چلے گا۔ ارشاد فرمایا کہ میں امیدیں مسلط کر دوں گا موت بھول جائے گی اپنی خواہشوں اور امیدوں میں مگن ہوں گے۔ موت کا احساس بھی نہ ہو گا کہ وہ اچانک آجائے گی۔

تو اہل نظر کی نگاہ میں موت بھی ایک نعمت ہے نعمت نہیں تو ان الموت تحفۃ المومن کیسے ہوئی ان الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب موت تو ایک پل ہے جس پر سے گزر کر دوست کو ملا جا سکتا ہے تو موت بھی خوشی کی بات ہوئی۔ اگر کوئی کہے کہ پھر موت پر رنج کیسا؟ جواب یہ ہے کہ یہ غم فراق ہے غم موت نہیں۔ یہ تو احباب سے جدائی کا رنج ہے۔ موت کا غم نہیں۔ اسی لیے اچھی موت پر کہتے ہیں ایسی موت تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ معلوم ہوا کہ صدمہ موت کا نہیں فراق کا ہے ورنہ پھر موت کی تمنا کیوں کرتا۔ بری چیز کی تمنا تو نہیں کی جاتی۔ اسی لیے موت کی تمنا فی الحقیقت علامت ولایت ہے۔ یہود کو کہا گیا فتمنوا الموت ان کنتم صدقین۔ کہ اگر

تم اپنے تئیں خود کو سچا گردانتے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔

تو موت تو علامت ولایت ہے اس کو مصیبت کون کہے گا۔ اس لیے کہ موت تو وسیلہ اور واسطہ ہے محبوب سے ملنے کا۔ اسی لیے تمنا موت علامت ولایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان پر ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ وہ ساعت جلد آئے جب ہم اللہ کو ملیں۔

شاہ محمد یعقوبؒ کا جب مرض وفات شروع ہوا تو لوگوں نے تسلی دی کہ کوئی بات نہیں انشاءاللہ صحت ہو جائے گی۔ مولانا کو غصہ آگیا کہ عمر بھر جس چیز کی تمنا کی ہے اب وہ آرہی ہے تو تم اس کو ہٹا رہے ہو۔ میاں! ساری عمر تو اسی تمنا میں گذری کہ کب لقائے یار نصیب ہوتا ہے دعا کرو حسن خاتمہ ہو جائے۔

کل ممکن ہے کوئی طالب علم شبہ کرے کہ حدیث میں تو اس کی ممانعت ہے لا یتمنی احدکم الموت۔ کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے تو تمنائے موت علامتِ ولایت کیسے ہوئی جبکہ یہ ممنوع ہے۔ لہٰذا تعارض ہوا۔ جواب یہ ہے کہ تعارض نہیں اس لیے کہ دوسری روایت میں ہے کہ مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرو۔ ورنہ اشتیاق لقاء محبوب کے لیے تمنائے موت محبوب ہے موت اس لیے بھی نعمت ہے کہ اگر موت نہ ہو تو چھوٹوں کے جوہر نہیں کھل سکتے مثلاً اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے اور زندہ ہوتے تو صحابہ کرام کے جوہر نہ کھل سکتے۔ صحابہ نے جو کارنامے انجام دیے آنحضورؐ کی موجودگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کی وجہ سے وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچتے۔ آج اگر مولانا خیر محمد موجود نہیں تو ان کے تلامذہ و ذریت موجود ہے۔ ان کے جوہر کھلیں گے۔ موت کے نعمت ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر زمانے کی نفسیات الگ ہوتی ہیں۔ سو سال بعد نفسیات بدل جاتی ہیں اسی لیے ہر صدی کے اختتام پر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔ پھر جب صدی ختم ہو گئی پھر مجدد پیدا ہوگا۔ سو سال میں ایک نسل ختم ہو جاتی ہے دوسری نسل شروع ہو جاتی ہے۔ اور ہر نسل کی نفسیات الگ ہوتی ہیں۔ پرانے لوگ اپنے ہی طریقے کے مطابق سمجھاتے لیکن قوم نہ سمجھتی اس لیے نئے لوگ لائے گئے ایک زمانہ تھا کہ روایت حدیث کے بغیر کوئی مسئلہ نہیں مانتا تھا۔ پھر ایک زمانہ عقل پسندی کا آیا۔ عقلی دلائل کے بغیر کوئی شخص مسئلہ نہ مانتا تھا۔ تو اللہ نے غزالی اور رازی کو پیدا فرمایا۔ پھر تصوف پسندی کا دور آیا۔ آج مشاہدات کا دور ہے۔ حسی دور ہے۔ تو اس زمانے کے لیے نئے علماء آئے جنہوں نے اسی انداز میں دین کو سمجھایا۔

تو موت عظیم ترین نعمت خداوندی ہے اس لیے یہ تحفۂ مومن و وسیلۂ لقاء ہے اس لیے موت میں خوشی کا بھی پہلو ہے۔ لہٰذا اس کی تمنا بھی رکھے۔ اگر تعلق مع اللہ موجود ہے تو موت راحت ہے اور تعلق مع اللہ نہیں تو موت مصیبت ہے۔ اس لیے کافر زندگی کی تمنا کرتا ہے ولتجدنھم احرص الناس علی حیوۃ۔ ایسے لوگوں کو موت کے نام سے ہی موت آتی ہے موت سے صرف ڈرتے رہنا غفلت ہے اور غفلت کا سرا کفر ہے اللہ بچائے۔ موت کے غم کو ہر وقت سوار رکھنا غلط ہے۔ بلکہ یہ تو اس لحاظ سے بھی نعمت ہے کہ یہ بیدار کرنے والی ہے۔ اور جو چیز غفلت سے بیدار کرے وہ نعمت ہے علماء لکھتے ہیں کہ فرعون کی عمر چار سو برس ہوئی۔ اس عمر میں اس کو کوئی تکلیف نہیں آئی لہذا کہا۔ انا ربکم الاعلی اور کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ مجھے اقتدار حاصل ہے، کرسیاں میری مضبوط ہیں۔ لیکن جب ڈوبنے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا موسیٰؑ کے رب پر۔

بعض روایات میں ہے کہ جب اس نے یہ کہا جبرئیل علیہ السلام اس کے منہ میں گارا ٹھونس رہے تھے کہ ساری عمر تو اس نے کفر کیا ہے۔ کہیں اس وقت کلمہ پڑھ کر رحمت کا مستحق نہ ٹھہر جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات ملائکہ میں بھی غلبہ حال کا ہوتا ہے۔

تو موت میں جہاں پہلو رنج

کا ہے وہاں پہلو خوشی کا بھی ہے موت میں عقل سے کام لے کر اگر بین کر کے رویا تو میّت کو اس سے کیا فائدہ ۔ بلکہ بعض روایات میں ہے ان المیّت لیعذب ببکاء اھلہٗ کہ میّت کو گھر والوں کے رونے سے تکلیف ہوتی ہے ۔ اس لیے پہلا کام صبر ہے ۔ دوسرا کام یہ ہے کہ اس کو نفع پہنچانے کی کوشش کریں ۔ حدیث میں فرمایا گیا اذکروا حسنات موتاکم ۔ برائیاں بیان نہ کرو ممکن ہے بخش دی گئی ہوں ۔ ان کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔

تو بہر حال میّت کے لیے دوسرا کام ایصالِ ثواب ہے — زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ کوئی بڑا آدمی مر جاتا تو وصیت کر جایا کرتا تھا کہ مجھے چھ مہینے تک رویا جائے ۔ اس لیے عورتیں کرایہ پر رکھی جاتیں ۔ انہیں رونے میں خاص مشق ہوتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ حقیقی رونا نہیں ۔ تصنّع اور بناوٹ ہے ۔ تو اسلام نے حقیقت سکھلائی ہے بناوٹ نہیں ۔ اسلام نے سیدھی بات بتا دی کہ اِنّا للّٰہ

پڑھے اس میں صبر کا سارا سامان موجود ہے ۔ جب یہ کہا جائے گا کہ ہم سب اللہ کی ملک ہیں تو عقلی طور پر صبر آ جائے گا اس لیے کہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی مِلک میں جو چاہے تصرّف کرے ۔ لیکن ابھی طبعی غم موجود تھا وَ اِنّا الیہ راجعون کہہ کر پورا کر دیا ۔ کہ ہم بھی جا کر ملاقات کر لیں گے ۔

یہ کوئی ہمیشہ کا فراق نہیں ۔ مومن کو تو ہر وقت آس لگی ہوئی ہے ۔

حضرت مولاناؒ کے اظہارِ تعزیت کے ضمن میں چند معروضات تھیں جو مَیں نے عرض کر دیں ۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائیں ۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۔

## صدمہ

● حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کے خاندانی طور پر خادم اور انتہائی مخلص قومی ورکر خواجہ ظفر احمد آف بھیرہ گذشتہ دنوں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے ۔ مرحوم پابند صوم و صلٰوۃ اور مخیّر انسان تھے ۔ قومی اور سماجی کاموں سے گہری دلچسپی تھی اور قومی اتحاد کی انتخابی تحریک اور بعد کی احتجاجی تحریک میں سرگرم حصہ لیا ۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنی مغفرت سے نوازے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے ۔ آمین

# فقہ اسلامی

## تعارف و معلومات

مولانا محمد رفیع عثمانی

لُغت میں فقہ "فہم ، سمجھ داری اور ذہانت" کو کہتے ہیں ، اور فقیہ ذہین اور سمجھ دار شخص کو کہا جاتا ہے ۔ اور تفقہ فقیہ ہونے ، فقہ حاصل کرنے اور اس پر غور و خوض کرنے کا نام ہے ۔

### فقہ کے قدیم اصطلاحی معنی

اسلام کے قرونِ اولیٰ کی اصطلاح میں فقہ سے مراد "پورے دین کی گہری سمجھ ہے" یعنی دین کی تمام تعلیمات خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبۂ زندگی سے ہو ان کی گہری بصیرت و مہارت کو فقہ کہا جاتا ہے ، اور فقیہ اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت رکھتا ہو ، اور اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچے میں ڈھال چکا ہو ۔

### دینی احکام کی قسمیں :

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اُمّت کو قرآن و سُنّت میں جو احکام دیئے گئے ان کی تین قسمیں ہیں :

اوّل :- وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید پر ایمان ، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں ، اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان ، یوم آخرت اور اچھی بُری تقدیر پر ایمان اور ہر قسم کے کفر و شرک سے اجتناب وغیرہ

دوم : وہ احکام جن کا تعلق بندے کے ان افعال سے ہے جو جسم کے ظاہری اعضاء ، مثلاً ہاتھ ، پاؤں ، کان ، ناک ، زبان حلق وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں ، جیسے نماز ، زکوٰۃ ، روزہ ، حج ، جہاد اور نکاح و طلاق ، قسم و کفارہ اور جیسے معیشت و تجارت ، سیاست و حکومت ، میراث و وصیت ، دعویٰ اور قضاء و شہادت ، جرائم اور ان کی سزائیں ، اور جیسے سلام و کلام ، کھانا پینا سونا ، نشست و برخاست ، مہمانی و میزبانی وغیرہ ۔

سوم : وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق و عادات یعنی بندے کے اُن اعمال سے ہے جو وہ اپنے باطن اور قلب سے انجام دیتا ہے ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ، ...... اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسے یاد رکھنا ، دنیا سے محبت کم کرنا ، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہنا ، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا ، دین کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے لیے نیت کو خالص رکھنا ، کسی کو حقیر نہ سمجھنا ، خودپسندی سے پرہیز کرنا ، صبر کرنا اور غصّہ کو ضبط کرنا وغیرہ ۔

### قرآن و سنت میں ان سب قسموں کا بیان :

چونکہ یہ تینوں قسم کے احکام دین کے لازمی اجزاء باہم مربوط اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں ۔ اس لیے قرآن حکیم نے ان کو الگ الگ قسموں میں بیان کرنے کی بجائے ، ایک ساتھ ملا جلا کر بیان کیا ہے ۔ یہ نہیں کیا کہ ہر ایک قسم کو دوسری سے ممتاز کرنے کے لیے قرآن شریف کے الگ الگ تین حصے مقرر کر دیئے گئے ہوں ، اور ہر حصّہ میں صرف ایک ہی قسم کے احکام بیان کیے گئے ہیں ۔ بہت سے مقامات پر تو ایک ہی آیت میں تینوں قسم کے احکام حسب موقع ذکر فرما دیئے گئے ہیں ۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

الَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر)

ترجمہ :- قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔

اس میں ایمان کا تعلق قسم اوّل سے ہے، اچھے کام کا تعلق قسم دوم سے ہے، حق پر قائم رہنے کا تعلق تینوں قسموں سے اور صبر کا تعلق قسم سوم سے ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ تینوں قسم کے احکام ملے جلے تھے جو آپ نے حسب ضرورت صحابہ کرام رض کو تعلیم فرمائے، بسا اوقات ایک ہی حدیث میں کچھ احکام عقائد سے متعلق ہوتے ہیں، کچھ ظاہری اعمال سے، اور کچھ باطنی اخلاق و عادات یعنی اعمال قلب سے۔

دین ان تینوں قسم کے احکام کو بجا لانے کا نام ہے، چنانچہ صحیح مسلم شریف کی سب سے پہلی حدیث میں جو "حدیث جبریل" کے نام سے مشہور ہے آپ نے جو ان تینوں پر عمل کو "دین" قرار دیا ہے۔

پس ان میں سے کسی قسم کے احکام کو نظر انداز کر دینے سے دین مکمل نہیں ہو سکتا، اور انہی تینوں قسم کے احکام میں گہری بصیرت و مہارت کو قرون اولیٰ میں "فقہ" کہا جاتا تھا۔

## فقہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک:

اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو تابعین کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:

ھو معرفة النفس مالها وما علیها۔ (یعنی فقہ ان امور کی بصیرت کا نام ہے جو بندے کے لیے جائز یا ناجائز ہیں)۔

یہ تعریف علم دین کی تینوں اقسام کو شامل ہے، چنانچہ امام صاحب موصوف نے جو کتاب عقائد پر تصنیف فرمائی تھی اس کا نام "الفقہ اکبر" رکھا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک علم عقائد فقہ ہی کا ایک اہم ترین شعبہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت کو "فقہ" کہا جاتا تھا۔ اور "فقیہ" اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت رکھتا ہو اور اپنی پوری زندگی اس کے سانچہ میں ڈھال چکا ہو۔

## فقیہ حضرت حسن بصری کے نزدیک

مشہور تابعی اور فقیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

وھل رائیت فقیها بعینك؟ انما الفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الاخرة البصیر بدینه المداوم علی عبادة ربه الورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالهم الناصح لجماعتهم۔ (تم نے آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طلب گار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو۔ اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے، متقی ہو، مسلمانوں کی عزت و آبرو کو نقصان پہونچانے سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال و دولت سے بے تعلق ہو، اور جماعت مسلمین کا خیرخواہ ہو۔)

معلوم ہوا کہ "فقیہ" ہونے کے لیے تمام دینی احکام کا محض علم" بمعنی دانستن" کافی نہ تھا۔ بلکہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا بھی فقیہ کی تعریف میں شامل تھا، جس کے بغیر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو فقیہ کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

احادیث میں فقہ اور فقیہ کے جو فضائل آئے ہیں، وہ اسی قدیم معنی کے فقہ اور فقیہ سے متعلق ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔ (جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے دین کا فقہ (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے۔)

اس میں دین کے کسی شعبہ کی تخصیص نہیں کی گئی۔ بلکہ علم دین کی تینوں اقسام کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ احادیث میں فقہ اور فقیہ کے فضائل صرف اسی جدید اصطلاحی معنی کے ساتھ خاص ہیں جواب معروف ہیں اور جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

## مسائل کی کثرت اور مباحث کا پھیلاؤ

قرآن و سنت میں ہر زمانہ اور ہر مقام پر پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حکم الگ الگ صریح طور پر بیان نہیں کیا گیا، فروعی اور جزئی احکام وہی بیان کیے گئے ہیں جن کی عہدِ رسالت میں ضرورت تھی، البتہ ایسے اصولی احکام بیان کر دیے گئے ہیں جو قیامت تک کی ضرورت کے لیے کافی ہیں۔ اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانہ اور ہر حالت کے فروعی احکام مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔

عہدِ رسالت کے بعد جب اسلام کی فتوحات دنیا میں پھیلیں۔ بڑے بڑے متمدن ممالک اسلام کے زیرِ حکومت آئے، دوسری قوموں کے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے، مسلمانوں کو مختلف تہذیبوں سے واسطہ پڑا، نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں، اور نت نئے حالات و نظریات سامنے آئے تو ہر زمانہ کے فقہاءِ مجتہدین نے ان کے شرعی احکام قرآن و سنت ہی کے ابدی اصولوں سے مستنبط کیے اور امت کو بتلائے۔ اس طرح ہر زمانہ میں قرآن و سنت سے حاصل کیے ہوئے جزئی اور فروعی احکام میں اضافہ ہوتا رہا۔

چونکہ قرآن و سنت سے نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے اور اس کے طریقِ کار میں فقہا کا بہت سے مواقع میں اختلافِ رائے بھی ہوا جو شرعی دلائل پر مبنی ہوتا تھا، اور عقل و دیانت کی رُو سے ناگزیر تھا۔ اس لیے ہر حکم کے شرعی دلائل کو بھی خوب خوب واضح کرنا پڑا۔ اس طرح تینوں قسم کے احکام و مسائل میں دلائل اور متعلقہ مباحث کا اضافہ بھی، قرآن و سنت ہی کے بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر ہوتا رہا، اور علمِ دین کا نہایت قیمتی ذخیرہ جمع ہوتا گیا جسے منضبط کرنا بعد کے لوگوں کے لیے آسان تھا۔

## ترتیب و تدوین:

اب ضرورت ہوئی کہ تمام دینی احکام کو دلائل اور متعلقہ مباحث کے ساتھ مرتب اور مدوّن کر دیا جائے، تاکہ بعد کی نسلوں میں ان کی تعلیم آسان ہو، یہ کارنامہ متاخرین یعنی تابعین کے بعد آنے والے علماءِ کرام نے انجام دیا۔

## دینی احکام کی تقسیم تین

## الگ الگ

## فنون کی حیثیت سے

ان حضرات نے سہولت پیدا کرنے کے لیے دینی احکام کی تینوں قسموں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر کے الگ الگ مرتب کیا۔ کچھ حضرات نے صرف عقائد اور متعلقہ مباحث پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں، کچھ علماء نے صرف ظاہری اعمال کے احکام اور متعلقہ مباحث کو اپنی کتابوں میں مرتب کیا، اور کچھ بزرگوں نے باطنی اعمال کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس کے احکام و مباحث کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا، اس طرح رفتہ رفتہ دینی احکام کی یہ تینوں قسمیں الگ الگ علم و فن کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ یعنی علمِ فقہ تین علوم میں تقسیم ہو گیا۔ اور ہر علم کا الگ نام رکھ دیا گیا۔

### علمِ کلام، فقہ، تصوف

عقائد اور متعلقہ تفصیلات و مباحث کے علم کا نام "علمِ کلام" رکھ دیا گیا۔

اعمالِ ظاہرہ:- نماز، روزہ، نکاح و طلاق، تجارت و سیاست اور معاشرت وغیرہ کے احکام و دلائل کے علم کا نام "فقہ" رکھ دیا گیا۔ اور

اعمالِ باطنہ:- تقویٰ و توکل، اخلاص و تواضع، صبر و شکر اور زہد و قناعت وغیرہ کی بصیرت و مہارت "تصوف" اور "سلوک" اور "طریقت" کہا جانے لگا۔

## فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف

اس تقسیم میں دینی احکام کی دو قسمیں چونکہ فقہ سے الگ کر دی گئیں، لہٰذا فقہ کا موضوع اور دائرہ کار نسبتاً کافی محدود ہو گیا، اسی وجہ سے متاخرین کو ایک مستقل علم و فن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف بھی از سرِ نو کرنی پڑی۔ اب فقہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہو گئی کہ:-

"فقہ ظاہری اعمال کے متعلق تمام احکامِ شرعیہ کا علم ہے، جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتے"[1]

---

[1] عربی میں تعریف کے الفاظ یہ ہیں: "هو العلم بالاحکام الشرعية العملية المكتسب من ادلتها التفصيلية" فقہاءِ کرام نے صراحت کی ہے کہ اس تعریف کے لفظ "العملیہ" میں اعمال سے مراد "ظاہری اعمال" ہیں۔ اس لیے احقر نے اردو لفظ "ظاہری" کو صریح طور پر ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التوضیح مع التلویح ص۱۰ تا ۱۹ ج ۱، اور البحر الرائق ص۳ تا ص۱۰ مع حاشیہ منحۃ الخالق وتسہیل الوصول ص۳ تا ص۷ ورد المحتار مع الدر المختار ص۳۳ تا ص۳۶ ج ۱۔

جدید اصطلاح کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت، جامع، مانع اور مکمل تعریف ہے۔ اور اب فقہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے پوری طرح سمجھنے اور سمجھانے کے لیے فقہاء کرام نے تو اپنی عادت کے مطابق نہایت باریک بینی اور پوری تفصیل سے کام لیا ہے، کئی کئی صفحات میں اس کے ایک ایک لفظ کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا۔ یہاں اس تعریف کے اہم حصوں کی تشریح کی جاتی ہے۔

## تشریح

"ظاہری اعمال" سے مراد وہ اچھے یا بُرے کام ہیں جو بدن کے ظاہری اعضاء مثلاً ہاتھ پاؤں، کان، ناک، حلق وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت، کھانا، پینا سننا، سونگھنا، چھونا، پہننا، زنا، چوری وغیرہ۔ "ظاہری اعمال" کے لفظ سے فقہ کو تصوف اور علم کلام کے لفظ سے ممتاز کرنا مقصود ہے، کیونکہ علم کلام میں عقائد کا بیان ہوتا ہے اور تصوف میں باطنی اعمال کا، برخلاف فقہ کے کہ اس میں صرف ظاہری اعمال کے احکام بتائے جاتے ہیں، اس میں اگر کہیں عقائد یا باطنی اعمال کا ذکر آتا بھی ہے تو ضمناً آتا ہے، اصل مقصود ظاہری اعمال کا بیان ہوتا ہے۔

## احکام شرعیہ کا علم

"احکام" حکم کی جمع ہے، اور "شرعیہ" شریعت کی طرف منسوب ہے "احکام شرعیہ" ان احکام کو کہا جاتا ہے جو شریعت کی طرف منسوب یعنی شریعت سے ماخوذ ہوں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ شریعت میں انسان کے سب کاموں کی کچھ صفات مقرر کر دی گئی ہیں۔ جو کل سات ہیں: فرض[1]، واجب[2]، مندوب[3] (مستحب) مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، ان صفات کو "احکام شرعیہ" کہا جاتا ہے۔ انسان کے ہر کام کے لیے ان میں سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور مقرر ہے، یعنی بندے کا ہر عمل شریعت کی رُو سے یا فرض ہے یا واجب یا مندوب یا مباح یا حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی۔ پس ہر اچھے بُرے کام کے متعلق یہ جاننا کہ اس پر شریعت نے ان میں سے کونسا حکم لگایا ہے، یہ "احکام شرعیہ" کا علم ہے۔ مثلاً یہ جاننا کہ زکوٰۃ فرض ہے، سلام کا جواب دینا واجب ہے، کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مندوب (مستحب) ہے۔ ریل میں سفر کرنا مباح (جائز) ہے، چوری حرام ہے بازار میں جب عام اشیاء ضرورت کی قلت ہو تو ان کی ذخیرہ اندوزی مکروہ تحریمی ہے، کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، اسی طرح تمام اعمال کے متعلق ان کا الگ الگ شرعی حکم جاننا "احکام شرعیہ" کا علم ہے۔ احکام اگرچہ صرف سات ہیں۔ مگر انسان کے اعمال بے شمار ہیں اور ہر عمل کے لیے ان سات میں ایک حکم مقرر ہے، اس لیے اعمال کی نسبت سے شریعت کے احکام بھی بے شمار ہو جاتے ہیں۔

## تفصیلی دلائل

دلائل "دلیل" کی جمع ہے۔ یہاں احکام شرعیہ کی دلیلیں مراد ہیں، علم کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے، کبھی بغیر دلیل کے، احکام شرعیہ کا علم اگر دلائل کے بغیر ہو، جیسے بہت سے لوگوں کو ہزارہا شرعی احکام کا علم فقہاء سے سن کر یا ان کی کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہو جاتا ہے تو وہ فقہ نہیں، فقہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو، عوام کو بلکہ بہت سے علماء کو بھی "فقیہ" اسی لیے نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے یہ علم "احکام شرعیہ کے دلائل" سے مستنبط نہیں کیا۔

احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں قرآن[1]، سُنّت[2]، اجماع[3]، قیاس[4]۔ ہر عمل کا حکم شرعی انھی چار میں سے کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ یعنی انسان کے کسی بھی عمل کے متعلق یہ بات کہ وہ فرض ہے یا واجب یا مندوب یا مباح یا حرام یا مکروہ ثابت کرنے کا ذریعہ یا تو قرآن حکیم ہے یا سُنّتِ نبویہ یا اجماع یا قیاس، ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا مستنبط کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ان چاروں دلائل کا تعارف آگے آئے گا۔

فقہ کی تعریف میں دلائل کی قید میں لگا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی فقیہ (مجتہد) کے علم و تقویٰ پر اعتماد کر کے اس کی تقلید کرنے والے عوام یا علماء کو جو احکام شرعیہ کا علم ہوتا ہے، ان کے اس علم کو فقہ نہیں کہہ

سکتے، کیونکہ انھوں نے یہ علم قرآن
سنّت، اجماع یا قیاس سے مستنبط
نہیں کیا، بلکہ جس امام مجتہد کی وہ
تقلید کرتے ہیں اس کے بتانے سے
حاصل ہوا ہے، حالانکہ فقہ شرعی
احکام کے صرف اسی علم کو کہا جاتا
ہے جو احکام شرعیہ کے دلائل سے
حاصل کیا جائے۔

یہاں قارئین کرام کے ذہنوں میں
یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ عوام
کے حق میں تو یہ بات درست ہے
کیونکہ انھیں دلائل معلوم نہیں ہوتے
مگر علماء دین اگرچہ کسی امام مجتہد کی
تقلید کرتے ہوں مگر انھیں تو احکام
شرعیہ کے دلائل بھی معلوم ہوتے
ہیں۔ لہٰذا ان کو فقیہ اور ان کے علم
کو فقہ کہنا چاہیئے؟

جواب یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ مع
ان کے دلائل کے جاننا اور چیز ہے۔
اور دلائل احکامِ شرعیہ کو
معلوم کرنا یعنی مستنبط کرنا بالکل دوسری
چیز۔ تقلید کرنے والے علماء کرام کو
احکامِ شرعیہ کا علم دلائل کے ساتھ
تو ہوتا ہے، مگر دلائل سے حاصل کیا
ہوا نہیں ہوتا، یعنی احکامِ شرعیہ کا
علم تو انھیں صرف امام مجتہد کے
قول سے حاصل ہو جاتا ہے، پھر وہ
تحقیق کرتے ہیں کہ ان کے امام نے
یہ حکم کسی دلیل شرعی سے حاصل
کیا ہے تو احکام کے بعد دلائل
کا علم بھی حاصل کر لیتے ہیں، یہ نہیں
ہوتا کہ احکامِ شرعیہ کو خود انھوں
نے قرآن و سنّت یا اجماع و قیاس
سے مستنبط کیا ہو بر خلاف مجتہد کے
کہ وہ براہِ راست ان چاروں دلائل
سے احکام کو مستنبط اور معلوم کرتا
ہے یعنی وہ دلائل کو پہلے سمجھتا ہے
اور پھر گہرے غور و خوض کے بعد
یہ معلوم کرتا ہے کہ ان سے کیا
کیا شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، اور
عالم مقلد پہلے احکام معلوم کرتا ہے
پھر دلائل کی تحقیق کرتا ہے، لہٰذا
عالم مقلد کو حقیقتاً فقیہ نہیں کہہ سکتے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو
گیا کہ فقیہ درحقیقت صرف مجتہد ہی
کو کہتے ہیں، غیر مجتہد کو خواہ ہزارہا
احکامِ شرعیہ مع ان کے دلائل کے
معلوم ہو تب بھی وہ فقیہ نہیں،
یہ اور بات ہے کہ عرفِ عام میں ایسے
عالم مقلد کو بھی "فقیہ" کہہ دیتے ہیں۔
مگر یہ کہنا ہے، حقیقتاً اور اصطلاحاً
وہ فقیہ نہیں۔

تعریف میں "دلائل کے ساتھ" "تفصیل"
کی قید بھی لگی ہوئی ہے۔ کیونکہ دلیل
کی دو قسمیں ہیں۔ اجمالی اور تفصیلی۔
دلیل اجمالی مبہم اور نامکمل دلیل کو کہتے
ہیں، مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے۔ یہ
ایک حکم شرعی ہے۔ اس کی دلیل کے
طور پر صرف اتنا معلوم کر لیا جائے
کہ یہ حکم قرآن شریف سے ثابت ہے۔
وہ آیت اور لفظ متعین نہ کیا جائے،
جس سے یہ حکم ثابت ہوا ہے، نہ یہ
تحقیق کی جائے کہ فرضیّت صلوٰۃ کے
خلاف کوئی اور آیت یا حدیثِ مشہور
تو موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی نامکمل
اور مبہم دلیل سے کوئی حکم ثابت نہیں
ہو سکتا۔ اور ایسی دلیل سے بالفرض
کوئی علم حاصل ہو بھی تو "اسے" فقہ
نہیں کہا جا سکتا۔

اور "دلیلِ تفصیلی" وہ ہے جس میں
مذکورہ بالا تفصیل بدرجۂ اتم موجود ہو، مثلاً
فرضیتِ صلوٰۃ کی دلیل یوں بیان کی جائے
کہ: "قرآن حکیم کے ارشاد "اقیموا الصلوٰۃ"
کے معنی ہیں "نماز قائم کرو"۔ اس
میں لوگوں سے نماز قائم کرنے
کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور جس کا
مطالبہ قرآن کریم میں کیا گیا ہو
وہ فرض ہوتا ہے۔ بشرطیکہ
وہ مطالبہ منسوخ نہ ہو اور
فرضیت کے منافی کوئی اور
آیت یا حدیث مشہور موجود نہ
ہو اور اس ارشادِ قرآنی کا یہی
حال ہے کہ نہ اس کے منسوخ
ہونے کی کوئی دلیل ہے۔ نہ
فرضیتِ صلوٰۃ کے منافی کوئی
آیت پورے قرآن حکیم میں موجود
ہے۔ نہ کوئی حدیث مشہور پورے
ذخیرہ احادیث میں اس کے منافی
موجود ہے۔ لہٰذا نماز قائم کرنا
فرض ہے۔"

"دلائل" کے ساتھ "تفصیلی" کی قید
لگا کر یہی بتانا مقصود ہے کہ "ظاہری
اعمال کے متعلق احکامِ شرعیہ کے
صرف اسی علم کو فقہ کہا جائے گا جو
احکامِ شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے
حاصل کیا جائے۔" اجمالی دلائل" سے
اوّل تو علم حاصل ہوتا نہیں، اگر حاصل
ہونا فرض کر لیا جائے تب بھی وہ
فقہ نہیں۔

## تعریف و تشریح کا حاصل

فقہ کی تعریف تو مختصر تھی۔ تشریح

ہیں بہت سی دقیق بحثوں کو چھوڑنے اور اختصار کی حتی الامکان کوشش کے باوجود تشریح خاصی طویل ہو گئی ہے، مجبوری یہ تھی کہ فقہ کی تعریف کو ضروری حد تک سمجھنا اس کے بغیر ممکن نہ تھا۔ بہرحال اب فقہ کی تعریف و تشریح کا حاصل یہ نکل آیا کہ:

"بندے کے ظاہری اعضاء سے ہونے والے ہر کام کے متعلق قرآن، سنّت، اجماع یا قیاس کے مفصل دلائل کے ذریعہ یہ جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے کہ وہ کام فرض ہے یا واجب یا مستحب ہے یا حرام، مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔"

## فقہ کا موضوع:

کسی علم میں جس چیز کے حالات و صفات سے بحث کی جاتی ہے وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے۔ اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات و صفات کو موضوع کے لیے ثابت کیا جاتا ہے۔

علم طب میں بدنِ انسانی کے ان حالات سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق اس کی صحت اور بیماری سے ہے۔ اس لحاظ سے علم طب کا موضوع انسانی بدن ہے۔

اسی طرح فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری افعال کی کچھ صفات (احکام شرعیہ) سے بحث کی جاتی ہے۔ لہذا فقہ کا موضوع انسان کے ظاہری افعال ہیں۔ یعنی انسان کے صرف ظاہری افعال کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے شرعی احکام کیا ہیں۔

غرض فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی رو سے نہ عقائد فقہ کا موضوع ہیں نہ باطنی اعمال و اخلاق، بلکہ عقائد علمِ کلام کا موضوع ہیں اور باطنی اعمال و اخلاق تصوف کا، فقہ کا موضوع انسان کے صرف ظاہر افعال ہیں۔

## قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع

مگر ظاہر ہے کہ یہ سب تفصیل فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی بنیاد پر ہے۔ جس میں عقائد اور تصوف کو فقہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ورنہ جہاں تک قدیم اصطلاحی فقہ (پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت) کا تعلق ہے۔ اس میں نہ عقائد و اعمال کی تفریق ہے نہ ظاہر و باطن کی۔ عقائد ہوں یا اعمال، اعمال بھی ظاہری کے ہوں یا باطن کے، سب ہی میں شریعت کے احکام کو بجا لانا دین ہے، اور ان سب کے شرعی احکام کو دلیل سے جاننا علمِ دین۔ اسی علمِ دین کو قرآن و سنّت میں "فقہ" اور "تفقہ فی الدّین" کا نام دیا گیا ہے، اور اس کا موضوع صرف ظاہری اعمال نہیں، بلکہ عقائد اور تمام ظاہری و باطنی اعمال اس کا موضوع ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جدید اصطلاحی فقہ پورا علم دین۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جدید اصطلاحی فقہ پورا علم دین نہیں، بلکہ علمِ دین کا تہائی حصہ ہے اور یہ تہائی بھی عقائد اور تصوّف کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

## تفقہ فی الدّین فرض کفایہ ہے:

پورا علم دین قدیم اصطلاحی فقہ ہے۔ جسے قرآنِ حکیم نے "تفقہ فی الدّین" (پورے دین کی سمجھ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ ٥

(توبہ-۱۲۲)

ترجمہ:- ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے، تاکہ باقی ماندہ لوگ "دین کی سمجھ حاصل کرتے رہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے جس فقہ کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائی تھی کہ:

اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (اے اللہ ان کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما)

یہ بھی وہی تفقہ فی الدّین ہے جس کی وسعت دین کی تینوں شاخوں۔ عقائد، تصوّف اور "جدید اصطلاحی فقہ" کو سمیٹے ہوئے ہے۔ دور تابعین تک فقہ کا لفظ اسی وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا، بعد میں متاخرین نے محض درس تدریس وغیرہ میں سہولت کے لیے دین کی ان تینوں شاخوں کو الگ الگ مرتب اور مدوّن کر کے ہر شاخ کا الگ الگ نام رکھ دیا، جس کے نتیجہ میں ہر شاخ کی تعریف بھی الگ الگ کرنا پڑی؛

# اصغر خان کیسا انقلاب چاہتے ہیں



یہ پاکستان کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ ہے۔ جہاں نواب محمد احمد خان کے قتل کے سب سے بڑے مجرم اور پاکستان کے سابق مطلق العنان اور آمر حکمران کا مقدمہ در پیش ہے۔ بھٹو حکومت کے جرائم میں برابر کے شریک سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار بطور وکیل صفائی کئی روز سے دلائل پیش کر رہے ہیں۔ عدالتی کارروائی سننے کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنما بھی وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔ اخباری نمائندوں کی کثیر تعداد کے ساتھ غیر ملکی مبصر بھی نوٹس لینے عدالت میں موجود رہتے ہیں۔ بی بی سی کے دونوں نمائندے بھی کبھی نہ کبھی دکھائی دیتے ہیں۔ آج عدالت کے احاطہ اور بار روم میں معمول سے زیادہ ہی چہل پہل ہے۔ مسلم لیگ تحریکِ استقلال اور پیپلز پارٹی کے بہت سے رہنماؤں کے چہرے ادھر سے ادھر آتے جاتے نظر آ رہے ہیں۔ مسلم لیگ کے مولانا شفیق الاسلام، پیپلز پارٹی کے پرانے گنہگار اور موجودہ شب زندہ دار جو بھٹو کے غم اور اپنے محاسبے کے خوف سے دن رات جاگتے رہتے ہیں۔ یہ پیپلز پارٹی کے پنجتن ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین، ملک محمد جعفر، عزیز احمد، نذر حسین کیانی اور چودھری برکت اللہ۔ اور تحریک کے رہنماؤں میں جناب اصغر خان، ان کی اہلیہ، میاں محمود علی قصوری، سید ظفر علی شاہ۔ محمد رفیع (انڈیا کے مشہور گلوکار نہیں) ضیاالدین ضیائی اور سفید مونچھوں کو چہرے پہ سجائے کرنل تصدق حسین اپنی تمام "خوبیوں" سمیت موجود ہیں۔ کرنل صاحب موصوف ان "پاک دامن" ہستیوں میں سے ہیں جن کا دامن نظام مصطفےٰ کی تحریک کے دوران ہر قسم کی سرگرمیوں سے پاک رہا۔ جب راولپنڈی ٹیکسلا اور واہ کینٹ میں نظام مصطفےٰ کے لیے لوگ والہانہ قربانیاں پیش کر رہے تھے ان دنوں کرنل صاحب اپنے مذہب کے اصول "تقیہ" پر عمل کر کے بیماری کا بہانہ بنا کر راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں امن وسکون کی بانسری بجا رہے تھے۔ جب گزشتہ دنوں سابقہ حکومت کے "وزیر بے تدبیر و بے محکمہ" خورشید حسن میر بھی سازشوں کا بستہ اٹھائے عدالت میں آئے تو اخباری نمائندے ان سے کچھ سننے کی خواہش کے باوجود محروم رہ گئے۔ لیکن آج اخباری نمائندے اصغر خان کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ اصغر خان جو بھٹو کو کبھی منٹو پارک لاہور، کبھی ناصر باغ کبھی لیاقت باغ اور کبھی آرام باغ کراچی میں الٹا پھانسی دینے کی باتیں کرتے تھے۔ بھٹو کے مقدمہ میں کون سی کشش انہیں یہاں کھینچ لائی۔ دوپہر کو بار روم میں جب اصغر خان داخل ہوئے تو اخباری نمائندوں نے ان سے مختلف چبھتے ہوئے سوالات پوچھے۔ اصغر خان جو ہمیشہ ذو معانی مبہم اور غیر واضح باتیں کر کے اخباری نمائندوں کو ٹال جاتے ہیں۔ آج بھی انہوں نے اپنی پرانی عادت سے کام لیا۔ انہوں نے جہاں بلدیاتی انتخابات کی تجویز کی مخالفت۔ فوجی حکومت کو نوشتۂ دیوار پڑھنے کا مشورہ۔ اسلامی سزاؤں پر عمل کرنے سے قبل اسلامی معاشرہ کے قیام پر زور دیا، وہاں ایک ایسی بات بھی کہی جس سے تمام موجود لوگ چونک اُٹھے۔ جناب اصغر خان نے کہا افغانستان میں حکومت کی تبدیلی پر پاکستانی عوام کی تشویش بے معنی ہے۔ وہ اپنی مرضی کی حکومت لاتے ہیں وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں، ہمیں بھی ترقی کرنا چاہیئے۔ اگر ہمسایہ ملک کی طرح ہم نے بھی ترقی کی طرف قدم نہ اٹھایا تو ہم پیچھے رہ جائیں گے اور یہاں بھی حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ ان کی یہ باتیں بہت سے ذہنوں میں یہ شکوک پیدا کر گئیں کہ کیا ۷۰ ہزار افراد کا قتل ترقی ہے؟

کیا مولانا گل محمد شہید اور مولانا عبدالحلیم شہید جیسے مجاہد علماء دین کے خون ناحق سے ہولی کھیلنا ترقی ہے؟

• کیا خدا اور رسولؐ کا انکار کر کے لینن اور سٹالن کے نظریات کو گلے کا ہار بنانا ترقی ہے؟

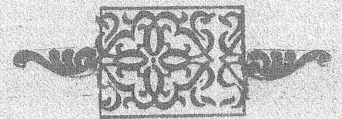
• کیا اصغر خان خود ترکی کی طرح پاکستان میں کوئی نیا انقلاب لانا چاہتے ہیں؟ جسے بعد میں وہ ترقی پسند انقلاب کا نام دے سکیں؟

• کیا اصغر خان نے کسی کے اشارہ ابرو پر اس خونی انقلاب کی تائید و حمایت کی ہے؟

جناب اصغر خان جن کے بارہ میں لوگوں کی یہ دو ٹوک رائے ہے کہ اگر وہ برسراقتدار آگئے تو بھٹو سے زیادہ ڈکٹیٹر اور مطلق العنان ثابت ہوں گے۔

اُن کا یہ شعار ہے کہ وہ "بڑکیں" خوب مارتے ہیں۔ اپنے متعلق انہیں زعم ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے منتظم ہیں۔ حالانکہ حقیقت سے باخبر لوگ جانتے ہیں کہ جناب نور خان کے دور میں کبھی ایک مرتبہ بھی میس میں ہڑتال نہیں ہوئی لیکن جب اصغر خان ان سے قبل فضائیہ کے سربراہ تھے تو ان کے دور میں دو مرتبہ میس میں ہڑتال ہوئی فضائیہ کے نوجوانوں نے کھانے پکے پکائے اٹھا کر باہر پھینک دیئے۔

جو شخص حکومت کے ایک شعبہ کا کنٹرول اور نظم چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ پورے ملک کا انتظام کس طرح چلا سکتا ہے؟



## کراچی

# جمعیت استقلال فاؤنڈیشن

کراچی ایئرپورٹ پر لوگوں کا اژدہام تھا رنگا رنگ لباسوں میں ملبوس لوگ ادھر سے ادھر آجا رہے تھے۔ چہروں پر فرحت و مسرت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ کچھ لوگ ابھی ابھی جہاز سے اتر کر جب ویٹنگ روم میں پہنچے تو ان کے اعزا و اقارب اور احباب باری باری ان سے معانقہ کر کے اپنی بے پناہ خوشی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اس عالم میں کچھ لوگ انتظار کی ساعتیں شمار کر رہے تھے کہ دوسرا جہاز کب رن وے پر اترے گا۔ انتظار گاہ میں ایک طرف کچھ باریش لوگ اور چند نوجوان بھی کھڑے تھے۔ یہ لوگ اپنے قائد کی آمد کے منتظر تھے اس مختصر سی ٹولی میں جمعیۃ علماء پاکستان اور انجمن طلباء اسلام کے رہنما اور کارکن شامل تھے۔ اور نورانی میاں جو افریقی ممالک کے دورہ سے واپس آ رہے تھے۔ یہ اصحاب ان کے استقبال کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ اخباری نمائندے خوش گپیوں میں مصروف تھے اور فوٹو گرافرز مختلف رنگوں کی "تتلیاں" دیکھنے میں منہمک۔ کچھ ٹھنڈے مشروبات سے دل بہلا رہے تھے ابھی اتنا میں جہاز کی آمد کا اعلان ہوا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ ہر شخص اپنی جان پہچان والے سے گلے مل رہا تھا۔ نورانی میاں کو اخبار نویسوں اور جماعتی احباب نے گھیرے میں لے لیا۔ اخبار نویس مولانا سے مختلف سوالات پوچھ رہے تھے اور وہ اپنے مخصوص لہجہ میں جواب دے رہے تھے۔ مولانا انتہائی احتیاط اور سوچ کے بعد جواب دیتے

مقامی روزنامہ کے ایک نمائندے نے موجودہ مارشل لاء حکومت کے ساتھ تعاون کے بارہ میں سوال کیا تو مولانا نے کہا:

"ملک کے اہم مسائل پر مشوروں کے لیے اگر حکومت کی جانب سے جمعیت کو دعوت دی گئی تو وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یا الیکشن سیل کے سربراہ سے ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے" قومی اتحاد کے ساتھ جے، یو، پی کے اختلاف کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے کہا کہ "میرے غیر ملکی دورے پر روانگی سے قبل مذاکراتی ٹیم کے سربراہ نوابزادہ نصراللہ خان نے اعلان کیا تھا کہ قومی اتحاد نے جمعیت کے مطالبات کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اب جب کہ تین ماہ سات دن بعد میں واپس وطن آیا ہوں۔ ان مطالبات پر ابھی تک عملدرآمد نہیں ہوا ہے۔

ادھر مولانا اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دے رہے تھے ادھر جماعتی کارکن اس بات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ حضرت کی صحت پہلے سے ماشاءاللہ بہت بہتر ہے۔ چہرہ کس قدر انار کی طرح چمک رہا ہے دوسرے نے کہا اللہ کرے شاہ صاحب گذشتہ دورہ برطانیہ کی طرح اس مرتبہ بھی جماعتی بیت المال کے لیے فنڈز کثیر تعداد میں لائے ہوں۔ دوسرے شخص کو انجمن طلباء اسلام کے ایک کارکن نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ ہوش کل

کہ بیچارے اخباری نمائندے اس بات کو سن پائے تو کل کے اخبارات میں یہ خبر جلی حروف میں شائع ہو جائے گی۔ ایک اور کارکن جو اپنے ساتھیوں کی کھسر پھسر کافی دیر سے سن رہا تھا خاموش نہ رہ سکا۔ کہنے لگا مولانا کو بیت المال کی ہم سے زیادہ فکر ہے۔ اور وہ پہلے سے کثیر رقم لائے ہوں گے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ بیرونی ممالک میں وہابیوں کی جو تبلیغی جماعت موجود ہے مولانا کے دورے سے ان کی سرگرمیاں کتنی ماند پڑی ہیں۔ جمعیت کے مقامی رہنما جناب حاجی حنیف طیب جو ان کارکنوں کے سب سے قریب کھڑے تھے انہیں اس قسم کی باتیں کرتے پر گھور کر دیکھا کارکن غصہ میں ڈوبی ان کی آنکھوں کا اشارہ سمجھ کر خاموش ہو گئے۔

مولانا سے سیاسی رہنماؤں کے محاسبہ کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا آج سے تقریباً تین ماہ قبل محاسبے کے عمل کے سلسلے میں حکومت نے ۱۹۳ افراد کی فہرست جاری کی تھی اور کہا تھا کہ دوسری فہرست بھی عنقریب جاری ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ محاسبہ کی سست رفتاری کا یہی حال رہا تو کئی سال درکار ہوں گے۔

دوسرے روز مولانا نے اخبارات کو جو بیان جاری کیا اس کو پڑھ کر ہم سکتے میں آ گئے کہ کیا یہ مولانا ہی کا انداز گفتگو ہے کہاں ایرپورٹ پر میٹھی میٹھی باتیں اور دھیمہ دھیمہ لہجہ اور کہاں آج کا یہ بیان جس کی ہر سطر سے نفرت و کدورت اور قلبی بغض وعداوت کا دھواں اُٹھ رہا ہے مولانا کا یہ بیان جس میں انہوں نے قومی اتحاد کی موجودہ قیادت کو نااہل کہا ہے قومی اتحاد کے حلقوں میں سارا دن موضوع بحث رہا۔ بعض اصحاب کی یہ رائے تھی کہ مولانا سنجیدگی اور متانت سے کوسوں دور ہیں۔ اگر قومی اتحاد کے مرکزی رہنماؤں سے کوئی رہنما مولانا کے متعلق یہ کہہ دیتا کہ وہ سیاسی بصیرت سے محروم ہیں۔ حالات کو سمجھنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں اور خان عبدالقیوم خان کی بعض قبیح عادات میں مولانا بھی ان کے مشابہ و مماثل ہیں تو مولانا کو کس قدر اذیت قلبی ہوتی۔ کچھ انتہا پسند اس رائے کا اظہار کر رہے تھے کہ مولانا کو اب قومی اتحاد سے نکال ہی دینا چاہیئے کیونکہ مولانا نے اب وہی لب و لہجہ اور حرکات شروع کر دی ہیں جو اصغر خان نے اتحاد سے علیحدگی کے اعلان سے قبل اختیار کی تھیں۔ چند مخلصین یہ کہہ رہے تھے کہ مولانا کو اتحاد سے کسی صورت جدا نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ ایک عالم دین ہیں۔ انہیں اتحاد کی صدارت سے محرومی پر اتنا آزردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے یہ تو اصغر خان جیسے دنیا دار لوگوں کا وطیرہ ہے کہ اپنی نمود کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اب جب کہ موجودہ قیادت کو متفقہ طور پر منتخب کر ہی لیا گیا ہے تو انہیں سال بھر کام کرنے دیا جائے آئندہ ویسے بھی یہ عہدیدار منتخب نہیں ہو سکیں گے لیکن ان مخلصین کی آرزوؤں پر اس دن پانی پھر گیا جب جناب اصغر خان اپنے علیل بھائی میجر انور خان کی عیادت کے لیے کراچی آئے۔ اور مولانا کے ظہرانے میں شرکت کی۔ دونوں جماعتوں کے مقتدر رہنماؤں نے باہمی تعاون پر تبادلۂ خیالات کیا۔ پرانے تعلقات کے مُردہ کو نئے سرے سے قبر سے اکھاڑا غسل کے بعد نیا کفن پہنایا اور یہ طے پایا کہ آئندہ انتخابات میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مدمقابل امیدوار نہیں کھڑا کریں گی۔ جمہوریت اور قانون کی بالادستی کے لیے مل کر کام کریں گی۔ البتہ نظام مصطفےٰ کی جدوجہد مشترکہ طور پر شروع کرنے کے بارہ میں کوئی سمجھوتہ نہیں طے پا سکا اور یوں مولانا نے تحریک استقلال کے اشتراک سے "جمعیۃ استقلال فاؤنڈیشن" کی نئی عمارت کی پہلی اینٹ رکھی۔

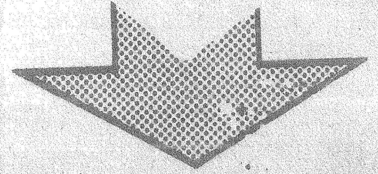


### صدمہ

خدام الدین کے پرانے قاری اور حضرت لاہوریؒ کے انتہائی عقیدت مند صوفی غلام رسول سبزی والے آف بھیرہ کا معصوم لڑکا فوت ہو گیا ہے جب کہ اس سے قبل ان کے دو لڑکے فوت ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں نعم البدل عطا فرمائے (ادارہ)

# دو قومی حادثے

## شیخ عبدالمجید سندھی اور ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کی رحلت



• شیخ عبدالمجید سندھی اور ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کی وفات ہفتہ رفتہ کے دو قومی حادثے ہیں۔

شیخ صاحب نومسلم تھے اور ایک خاص وضع قطع کے انسان۔ بہادر، نڈر اور حق گو۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق تھا اور اپنی جرأت قلندرانہ اور عمل جدوجہد کی بنا پر ایک مخصوص مقام کے حامل تھے۔ خوف و خطر سے کوسوں دور۔ جیل اور دوسری کسی بھی صعوبت کی کبھی پروا نہیں کی۔

ان کا عظیم ترین کارنامہ سندھ کے سب سے بڑے وڈیرے اور انگریز پرست انسان مسٹر شاہنواز بھٹو (پاکستان کے قاتل مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے والد) کو انتخابات میں چاروں شانے چت گرانا اور عبرت ناک شکست دینا تھا۔ اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ سیاست وڈیروں کی جیب کی گھڑی اور ہاتھ کی چھڑی نہیں بلکہ نیت خالص عزم راسخ اور مخلصانہ جدوجہد کا نام ہے۔

• ڈاکٹر عبدالقوی لقمان حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی تحریک ریشمی رومال کے سرگرم کارکن مولانا ابو محمد احمد چکوالی علیہ الرحمہ کے فرزند دلبند، امام لاہوری قدس سرہ کے برادر نسبتی اور حضرت لاہوری کے لخت جگر و فرزند عزیز مولانا عبیداللہ انور کے ماموں اور خسر تھے۔ طبی دنیا کے انسان، میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر اور مختلف طبی کتابوں کے مصنف لیکن ان کا دل و دماغ ایک اکل کھرے مسلمان کا دل و دماغ تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور امیر شریعت بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات سے تعلق اور بہت گہرا تعلق تھا۔ مجلس احرار اسلام کے فنانس سیکرٹری رہے۔ آزادی ہند کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند کا جو وفد وائسرائے سے ملا اس میں ڈاکٹر صاحب ترجمان تھے۔

اور یہ آزادی خواہ مسلمانوں بالخصوص آپ کے شیخ حضرت مدنی کے آپ پر بے پناہ اعتماد کا مظہر تھا۔ عرصہ سے بیمار تھے۔ دو صاحبزادے ان کی زندگی میں انتقال کر گئے، باقی ملک سے باہر ہیں۔ ابھی کینیڈا سے پلٹے تھے وہاں موجود صاحبزادے نے بے پناہ علاج کرایا لیکن موت قریب آتی چلی گئی اور ایک تاریخی انسان موت کی آغوش میں چلا گیا۔ لاہور میں نماز جنازہ میں ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوئے۔ آپ کے فرزند نسبتی مولانا عبیداللہ انور نے مرحوم کے انتہائی عزیز دوست مولانا محی الدین قاری سے جنازہ پڑھوایا اور پھر عظمت علمی کے اس لعل کو اپنے فرزند کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا۔

ان دو عظیم قومی حادثوں پر ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ لیکن تقدیر الٰہی کے سامنے بس نہیں چلتا۔ کریم مطلق ان حضرات کے ساتھ اپنے کرم کا معاملہ فرمائیں اور پسماندگان کو اجر جمیل سے نوازیں۔

انشاء اللہ بہت جلد ایک خصوصی اشاعت کے ذریعے ہم آپ کا مفصل تعارف پیش کریں گے۔

غم:- کارکنان ادارہ